اس شمارے میں

حرفِ اوّل		
قرآن کالج ـــــ ایک منفرد تعلیمی ادارہ	حافظ عاکف سعید	2
اسوۂ رسول ﷺ		
نبی اکرم ﷺ بحیثیتِ منتظم	ڈاکٹر اسرار احمد	3
فہم القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	12
نباتات قرآن		
مَنّ	سید قاسم محمود	21
حکمت نبویؐ		
موت اور افلاس میں خیر کا پہلو	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	25
علوم القرآن		
قرآن کا اندازِ خطاب اور اس کی اقسام (۲)	امام بدرالدین زرکشی	29
قرآن پاک کا موضوع	ڈاکٹر محمود احمد غازی	40
افہام و تفہیم	مولانا الطاف الرحمٰن بنوی	57
تعارف و تبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	60

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا

(البقرۃ : ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر:

حافظ عاطف وحید

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی ۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۴ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ ۔ اگست ۲۰۰۵ء شمارہ ۸

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ ۔ کے ۔ ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور ۱۴ ۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے ' فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کالج ـــــ ایک منفرد تعلیمی ادارہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت خدمت قرآنی اور تحریک رجوع الی القرآن کی جو اسکیمیں برسرِ عمل ہیں ان میں قرآن کالج کو ایک اہم مقام حاصل ہے ـــــ یہ دراصل ہمارے ملک میں رائج دو مختلف نظام ہائے تعلیم کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور طلبہ کو قرآنی افکار سے آشنا کرنے کی ایک کوشش ہے ـــــ سکولوں اور کالجوں میں اصل زور عصری اور دنیوی تعلیم پر ہوتا ہے جبکہ اسلامیات کا ایک مضمون برائے بیت شامل کیا جاتا ہے جس کے ذریعے اسلام کے بارے میں کچھ ابتدائی معلومات تو طلبہ کو حاصل ہو جاتی ہیں لیکن دین کا ایک جامع و ہمہ گیر تصور اور قرآن حکیم کی وہ فکری و عملی رہنمائی جس کے ذریعے طلبہ کا ایک ذہنی و فکری رشتہ قرآن حکیم اور دین اسلام کے ساتھ قائم ہو جائے' بالکل مفقود ہے ـــــ دوسری طرف دینی مدارس میں علوم دینیہ کی تدریس تو ہوتی ہے' لیکن عصری علوم کا تا حال وہاں گزر نہیں ہے۔ واضح رہے کہ دینی مدارس کے نصابِ تعلیم میں بھی مرکز و محور کی حیثیت فقہ اور اصول فقہ کو حاصل ہے۔ فکری و نظری اور علمی و عملی رہنمائی کی حیثیت سے قرآن و حدیث کا مطالعہ وہاں بھی قریباً مفقود کے درجے میں ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالے سے عملی رہنمائی کا صرف وہی پہلو جس کا تعلق فقہ اور فقہی مسائل کے ساتھ ہے' بالعموم وہاں زیر بحث آتا ہے۔

بہرکیف اس تناظر میں قرآن کالج کا قیام اس مقصد کے تحت عمل میں لایا گیا ہے کہ یہاں بورڈ اور یونیورسٹی کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کے ذہنوں میں فکر قرآنی کی تخم ریزی کا اہتمام کیا جائے اور قرآن و حدیث کے حوالے سے دین کے حقیقی اور حرکی تصور سے انہیں روشناس کرایا جائے۔ قرآن سے قریب لانے کی خاطر یہاں عربی زبان اور تجوید کی تدریس کا بھی ابتدائی درجے میں اہتمام کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مرکزی انجمن کے وابستگان اور قارئین ''حکمت قرآن'' اس کالج کے وجود کو غنیمت جانتے ہوئے اسے اپنے حلقۂ احباب میں متعارف کروائیں' خود اپنے بچوں کو بھی اس قرآنی درسگاہ میں بھیجیں جہاں بورڈ اور یونیورسٹی کی بھی معیاری تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اور ماحول بھی نہایت باوقار اور سنجیدہ ہے۔ مزید برآں اپنے حلقہ احباب کو بھی اس جانب متوجہ کریں ـــــ انٹرمیڈیٹ سالِ اوّل میں داخلہ کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کا تفصیلی اشتہار اسی شمارے کے بیک ٹائٹل پر دیکھا جا سکتا ہے۔ oo

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کالج ـــــ ایک منفرد تعلیمی ادارہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت خدمت قرآنی اور تحریک رجوع الی القرآن کی جو اسکیمیں برسرِ عمل ہیں ان میں قرآن کالج کو ایک اہم مقام حاصل ہے ـــــ یہ دراصل ہمارے ملک میں رائج دو مختلف نظام ہائے تعلیم کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور طلبہ کو قرآنی افکار سے آشنا کرنے کی ایک کوشش ہے ـــــ سکولوں اور کالجوں میں اصل زور عصری اور دنیوی تعلیم پر ہوتا ہے جبکہ اسلامیات کا ایک مضمون برائے بیت شامل کیا جاتا ہے جس کے ذریعے اسلام کے بارے میں کچھ ابتدائی معلومات تو طلبہ کو حاصل ہو جاتی ہیں لیکن دین کا ایک جامع و ہمہ گیر تصور اور قرآن حکیم کی وہ فکری و عملی رہنمائی جس کے ذریعے طلبہ کا ایک ذہنی و فکری رشتہ قرآن حکیم اور دین اسلام کے ساتھ قائم ہو جائے' بالکل مفقود ہے ـــــ دوسری طرف دینی مدارس میں علوم دینیہ کی تدریس تو ہوتی ہے' لیکن عصری علوم کا تا حال وہاں گزر نہیں ہے۔ واضح رہے کہ دینی مدارس کے نصابِ تعلیم میں بھی مرکز و محور کی حیثیت فقہ اور اصول فقہ کو حاصل ہے۔ فکری و نظری اور علمی و عملی رہنمائی کی حیثیت سے قرآن و حدیث کا مطالعہ وہاں بھی قریباً مفقود کے درجے میں ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالے سے عملی رہنمائی کا صرف وہی پہلو جس کا تعلق فقہ اور فقہی مسائل کے ساتھ ہے' بالعموم وہاں زیر بحث آتا ہے۔

بہرکیف اس تناظر میں قرآن کالج کا قیام اس مقصد کے تحت عمل میں لایا گیا ہے کہ یہاں بورڈ اور یونیورسٹی کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کے ذہنوں میں فکر قرآنی کی تخم ریزی کا اہتمام کیا جائے اور قرآن و حدیث کے حوالے سے دین کے حقیقی اور حرکی تصور سے انہیں روشناس کرایا جائے۔ قرآن سے قریب لانے کی خاطر یہاں عربی زبان اور تجوید کی تدریس کا بھی ابتدائی درجے میں اہتمام کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مرکزی انجمن کے وابستگان اور قارئین ''حکمت قرآن'' اس کالج کے وجود کو غنیمت جانتے ہوئے اسے اپنے حلقۂ احباب میں متعارف کروائیں' خود اپنے بچوں کو بھی اس قرآنی درسگاہ میں بھیجیں جہاں بورڈ اور یونیورسٹی کی بھی معیاری تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اور ماحول بھی نہایت باوقار اور سنجیدہ ہے۔ مزید برآں اپنے حلقہ احباب کو بھی اس جانب متوجہ کریں ـــــ انٹرمیڈیٹ سال اوّل میں داخلہ کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کا تفصیلی اشتہار اسی شمارے کے بیک ٹائٹل پر دیکھا جا سکتا ہے۔ oo

نبی اکرم ﷺ بحیثیتِ منتظم

از: ڈاکٹر اسرار احمد

احمدہٗ و اصلی علی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف ایک نبی ہی نہیں ''خَاتَمُ النَّبِیین'' ہیں' اور صرف ایک رسول ہی نہیں ''آخِرُ المُرسَلین'' ہیں۔ اس طرح جہاں نفسِ نبوت ایک قدرِ مشترک ہے آنحضور ﷺ اور جملہ انبیاء و رُسل کے مابین' وہاں ختمِ نبوت آپؐ کا وہ امتیازی وصف ہے جس میں کوئی دوسرا نبی یا رسول آپؐ کا شریک و ہمسر نہیں۔ گویا اس اعتبار سے آپؐ کی مبارک شخصیت میں اللہ تعالیٰ کی شانِ یکتائی کا ایک پرتَو بتمام و کمال موجود ہے—— مزید برآں آپؐ کی ذاتِ مبارکہ پر نبوت ختم ہی نہیں ہوئی مرتبۂ اتمام و اکمال کو بھی پہنچی ہے اور آپؐ کی ذاتِ والا صفات پر رسالت کا سلسلہ منقطع ہی نہیں ہوا درجۂ تکمیل کو بھی پہنچا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلہ کا اظہار و اعلان کہ آپؐ پر نورِ نبوت و رسالت کا اتمام و اکمال بھی ہو کر رہے گا اور نعمتِ شریعت و ہدایت کی تکمیل بھی' زبانِ وحی سے بار بار ہوتا رہا۔ جیسے سورۃ الصّف میں فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝﴾ ''اللہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ اور سورۃ التوبہ میں فرمایا: ﴿وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝﴾ ''اور اللہ کو ہرگز منظور نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں''۔ اور اس پر آخری مہر تصدیق ثبت کر دی اس آیۂ مبارکہ نے جو عین حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ (المائدۃ:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا''۔ فللهُ الحمدُ وَالْمِنَّة!!

اب اس پر غور فرمائیے کہ نفسِ نبوت اور ختمِ نبوت کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور بنابریں آپؐ کی شخصیت کے دو پہلو ہیں:

۱) نفسِ نبوت کی رعایت سے آپؐ شاہد بھی تھے اور بشیر و نذیر بھی' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (الاحزاب) ——— داعی بھی تھے اور مبلغ و مذکّر بھی' ——— اور معلم بھی تھے اور مربی و مزکی بھی ——— اور اس اعتبار سے آپ ﷺ کی عظمت کا مظہر اَتم وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو آپؐ کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے ذریعے تیار ہوئے' جنہیں ہم صحابہ کرام کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جن سے بہتر یا افضل کوئی جماعت اس زمین کی پشت پر اور اس آسمان کے نیچے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی' رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم وارضاهم اجمعین!

۲) اتمام و اکمالِ نبوت و رسالت کے مقاصد کی تکمیل کے اعتبار سے آپؐ نسلِ آدم کے عظیم ترین انقلابی رہنما' ہمہ گیر ترین اسلامی تحریک کے قائد' پاکیزہ ترین معاشرے اور عمدہ ترین تہذیب و ثقافت کے مؤسس' بہترین نظامِ حکومت کے بانی اور عدل و انصاف کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی نظامِ معیشت کے قائم کرنے والے ہیں۔ اور اِن تمام حیثیتوں سے آپؐ کے کمالات کا مظہر جامع وہ نظامِ حیات ہے جو آپؐ نے نوعِ انسانی کو صرف نظری طور پر ہی عنایت نہیں فرمایا بلکہ اپنی بہترین عملی و انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسے ایک وسیع و عریض خطۂ ارضی پر بالفعل قائم فرما دیا اور اس طرح اس کا ایک کامل نمونہ عملاً پیش کر دیا تاکہ نوعِ انسانی پر ہمیشہ ہمیش کے لیے اللہ کی حجتِ بالغہ قائم ہو جائے اور محاسبۂ اُخروی کے موقع پر انسان یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اپنے اُلجھے ہوئے عمرانی عقدوں اور پیچ در پیچ سیاسی و معاشی مسائل کا کوئی متوازن اور معتدل حل دیا ہی نہیں گیا۔

یہ بات بادنیٰ تأمل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اگرچہ آنحضور ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے

مقدم الذکر پہلو کے اعتبار سے بھی حکمتِ تامّہ کی بھی ضرورت تھی اور بصیرتِ کاملہ کی بھی' بالخصوص نفسیاتِ انسانی کا گہرا فہم تو اس کے ضمن میں لازمی و لابدی اہمیت کا حامل ہے' لیکن بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مؤخر الذکر پہلو تو ان سے بھی بڑھ کر اجتماعیاتِ انسانی کے ضمن میں گہری بصیرت اور اعلیٰ ترین انتظامی صلاحیتوں کا متقاضی تھا جن کے بغیر اس میدان میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا' کجا یہ کہ کامیابی کے آخری مراحل سے ہم کنار ہوا جا سکے! اور واقعہ یہ ہے کہ سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ پہلو اس درجہ روشن و تابناک ہے کہ اغیار و اعداء کو بھی اپنی تمام تر کورچشمی اور بدباطنی کے باوصف پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آ رہا ہے! چنانچہ ایچ جی ویلز ہو یا سر ولیم میور اور ٹائن بی ہو یا پروفیسر منٹگمری واٹ' سب نے آنحضور ﷺ کے حسنِ تدبّر و معاملہ فہمی' دُور اندیشی و پیش بینی اور حسنِ تدبیر و حسنِ انتظام کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اگرچہ یہ سعادت تو صرف دورِ حاضر کے ایک امریکی مصنف مسٹر ہارٹ کے حصے میں آنے والی تھی کہ وہ آنحضور ﷺ کی عظمت کے دونوں پہلوؤں کو مساوی طور پر خراجِ تحسین ادا کرتا' بایں طور کہ اس نے اپنی تصنیف ''THE 100''یعنی ''نسلِ انسانی کے سو عظیم ترین افراد'' میں سرفہرست رکھا ہے آنحضور ﷺ کو' اس دلیل کے ساتھ کہ:

"He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."

یعنی آپؐ دینی و روحانی اور دُنیوی و سیاسی جملہ اعتبارات سے نسلِ انسانی کے کامیاب ترین فرد ہیں! واضح رہے کہ ان آراء کا تذکرہ صرف اس عربی مقولے کے پیشِ نظر کیا جا رہا ہے کہ ''اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ'' یعنی اصل فضیلت وہ ہے جس کی گواہی دشمن دیں' ورنہ نہ ان لوگوں کے یہ اقوال ہمارے لیے کسی بھی درجے میں سند ہیں نہ آنحضور ﷺ کی عظمت کسی درجے میں ان کی محتاج ہے۔ الغرض آنحضور ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے مؤخر الذکر تکمیلی و اتمامی پہلو میں آپؐ کی تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بتمام و کمال ہوا۔

کی تنظیمی استعداد بھی بھرپور طور پر مسلسل بروئے کار رہی' جس کے نتیجے میں آپؐ نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے جو انسانی مواد (Human Materia) جمع کیا اس نے بدھ مت کے بھکشوؤں کے مانند فقیروں اور درویشوں کے ایک انبوہ کے بجائے ''اعلاء کلمۃ اللہ'' اور ''اظہارِ دینِ حق'' کے لیے جان لڑا دینے والوں کی ایک ایسی منظم جماعت کی صورت اختیار کی جس نے مدنی دَور میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصّف) ''اللہ تو محبت کرتا ہے ان سے جو اُس کی راہ میں جنگ کریں ایسی صفیں باندھ کر گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں!'' کی عملی تفسیر بن کر دکھا دیا۔ یہ تنظیم ظاہر ہے کہ کسی ایسے ناظم یا منتظم کے بغیر ممکن نہیں ہے جس میں تنظیمی و انتظامی صلاحیتیں درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہوں' اور یہ ناظم اور منتظم ظاہر ہے کہ آنحضورﷺ ہی تھے!

حیاتِ طیبہ کے مکی دَور کے وسط میں تعذیب و تشدّد (persecution) کے شدّت اختیار کرنے پر اہل ایمان کو ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت بھی آپؐ کے حسنِ انتظام کا شاہکار ہے۔ اور پھر ہجرتِ مدینہ منورہ کے موقع پر بھی اس عظیم نقل مکانی کو اس طور سے منظم کرنا کہ جماعت المسلمین کے اکثر افراد کو اپنے سامنے مدینہ روانہ فرمانے کے بعد آپؐ نے آخر میں رختِ سفر باندھا جس کے نتیجے میں سفرِ ہجرت نے ایک منظم نقل و حرکت کی صورت اختیار کر لی' نہ کہ کسی بھگدڑ یا فرار کی۔ یہ پوری صورتِ حال بھی بلاشبہ ایک عظیم تنظیمی و انتظامی استعداد کی مظہر اتم ہے!

رہا مدنی دَور تو اس کے بارے میں تو کچھ عرض کرنا بلاشبہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ' جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' ان دس سالوں کے دوران آنحضورﷺ کے حسنِ تدبر و معاملہ فہمی' دور اندیشی و پیش بینی' ترتیب و تنظیم اور انتظام و انصرام کے ایک دو نہیں سینکڑوں اور ہزاروں مظاہر سامنے آتے ہیں جن پر مؤرخین اور محققین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور بڑے سے بڑے مدبر و سیاست دان دنگ رہ جاتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ ناظم اور منتظم حیران و ششدر رہ

جاتے ہیں کہ ایک فردِ واحد میں اتنے محاسن و کمالات کا اجتماع' ہر جہت اور ہر پہلو سے حسن تدبیر و تدبر اور حسن تنظیم و انتظام کا مظہر اتم! پھر لطف یہ کہ حیاتِ انسانی کے کسی ایک گوشے کا تعین ممکن ہی نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اس میں آنحضور ﷺ کے حسنِ انتظام کا ظہور دوسرے گوشوں سے زیادہ ہوا ہے۔ گویا بات صدفی صد وہی ہے کہ ؎

''ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دِل می کشد کہ جا ایں جاست!''

مسلمانوں کا جو اجتماعی نظام نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا' اس میں نظم و تنظیم کو جو اہمیت آپؐ نے دی اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آپؐ نے عبادات کے نظام کو بھی ایک اجتماعی نظم کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ نماز کے بارے میں شدید تاکید فرما دی کہ اسے باجماعت ادا کیا جائے' خواہ سفر ہو خواہ حضر اسے کسی صورت ترک نہ کیا جائے۔ چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے ایک روایت تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل فرمائی کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا کَانَ ثَلَاثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ))(۱) ''جب سفر میں تین آدمی ہوں تو اُن میں سے ایک کو لازماً امیر بنا لیا جائے''۔ اور دوسری روایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ ثَلَاثَۃٍ فِیْ قَرْیَۃٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِیْھِمُ الصَّلَاۃُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطَانُ' فَعَلَیْکَ بِالْجَمَاعَۃِ' فَاِنَّمَا یَاْکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَۃَ))(۲)

''اگر کسی بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور پھر وہ نماز باجماعت کا نظام قائم نہ کریں تو اُن پر شیطان لازماً مسلط ہو کر رہے گا۔ سنو! جماعت سے وابستہ رہو' اس لیے کہ بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی بھیڑ کو ضرور ہڑپ کر جاتا ہے!''

پھر اس نماز باجماعت میں آنحضور ﷺ کا ذوق ترتیب و تنظیم اسے برداشت نہ کر سکتا تھا کہ صف ٹیڑھی ہو۔ اس لیے کہ صفوں کی کجی بھی جذبِ اندرون کے فقدان کی غمازی

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب الجھاد' باب فی القوم یسافرون یومرون احدھم۔

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ۔

کرتی ہے' لہٰذا تکبیر تحریمہ سے قبل آپؐ کی نوائے شیریں بلا ناغہ بلند ہوتی تھی کہ:

((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ)) (۱)

''اپنی صفوں کو سیدھا کرو' اس لیے کہ صفوں کو سیدھا کرنا بھی اقامتِ صلوٰۃ کے آداب میں سے ہے!''

مسلمانوں کی حیاتِ ملّی کے اس اساسی اور بنیادی شعبے یعنی عبادت میں' جس میں بالعموم اجتماعیت پر انفرادیت مقدم رہتی ہے' نبی اکرم ﷺ نے نظم و تنظیم کو اس درجہ اہمیت دی ہے تو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حیاتِ اجتماعی کے دوسرے شعبوں میں انتظام و انصرام کا عالم کیا ہوگا! ع

''قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا!''

مدینہ منورہ کی چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست کا چارج سنبھالنے کے فوراً بعد معاشرے کی تنظیمِ نو اور دفاعی انتظامات کا جو اہتمام آپؐ نے فرمایا وہ ملّی و ملکی سطح پر حکومت و ریاست کے معاملات کے ضمن میں آپؐ کے حسن انتظام کی نہایت اعلیٰ مثال ہے۔ چنانچہ ایک جانب آپؐ نے یہود سے معاہدے کر کے مدینے کے دفاع کا انتظام فرمایا اور دوسری جانب مہاجرین اور انصار میں مواخات یعنی بھائی چارے کے ذریعے معاشرے کی تنظیمِ نو کا اہتمام کیا۔ اور یہ بات بادنیٰ تأمل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ان دونوں معاملات میں ادنیٰ سی چُوک یا ذرا سی تأخیر بھی آئندہ حالات و واقعات کے رُخ کو بالکل بدل کر رکھ سکتی تھی۔ اور کسی بھی مدبر یا منتظم کا وقت کے تقاضوں کو بروقت سمجھ کر اُن کے لیے مناسب انتظام کر لینے ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہوتا ہے!

مدنی دَور کے ابتدائی آٹھ سالوں کے اکثر و بیشتر حصے کے دوران مسلح تصادم کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اس کے ضمن میں بھی جہاں آنحضور ﷺ کی دُور اندیشی اور معاملہ فہمی کے شاہکار مسلسل سامنے آتے ہیں اور آپؐ کی حکمتِ حربی' مہارتِ جنگ اور سپہ سالارانہ صلاحیتوں کا اظہار ایسے پُرشکوہ انداز میں ہوتا ہے کہ دوست دشمن سب مرحبا کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں' وہاں فوجوں کی ترتیب و تنظیم' رسد کا اہتمام و انصرام' چھاپہ مار

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة۔ وصحیح مسلم۔

دستوں کی برموقع ترسیل اور دشمن کی ہر ممکن چال کو ناکام بنانے کے لیے پیش بندی کے ضمن میں آپؐ کی انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بھی بتمام و کمال ہوتا رہا' تا آنکہ ۸ھ میں فتح مکہ اور معرکۂ حنین کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آنحضورﷺ کو عرب پر فیصلہ کن غلبہ عطا فرما دیا اور اطراف و اکنافِ عرب سے تمام قبائل کے وفود نے مدینہ منورہ حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی' گویا ﴿وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۙ﴾ (النصر) کا سماں بندھ گیا تب آپؐ کی انتظامی صلاحیتیں پورے طور پر بروئے کار آئیں اور پورے جزیرہ نمائے عرب میں وہ نظام قائم ہوا جس کی داغ بیل تو آنحضورﷺ نے بنفس نفیس اپنی حیاتِ دُنیوی کے آخری دو سالوں کے دوران ڈال دی تھی' لیکن جس پر نظامِ اسلامی کا قصرِ عظیم اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ دورانِ خلافتِ راشدہ تعمیر ہوا۔ اس انتظام و انصرامِ مملکتِ اسلامی کے ضمن میں ولاۃ و عمّال کا تقرر بھی شامل تھا' ائمہ و مؤذنین کی تقرری بھی شامل تھی' محصلینِ زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی بھی تھی' جنگوں کا انسداد بھی تھا' غیر قوموں سے گفت و شنید و صلح و مصالحت کے معاملات بھی تھے' انسدادِ جرائم اور اقامتِ حدود و اجرائے تعزیرات کا نظام بھی تھا' حکام و عمال اور محصلین زکوٰۃ و فدیہ کی خبر گیری اور احتساب کا سلسلہ بھی تھا اور ان سب کے ساتھ ساتھ تھا قیامِ حکومتِ اسلامی کا اصل اور اوّلین مقصد یعنی تبلیغ و دعوتِ دین' تربیت و اصلاحِ عوام اور تعلیم و تلقین شریعت!!

اور یہ سب کچھ تو تھا اندرونِ ملک عرب' اس پر مستزاد تھیں آنحضورﷺ کی بعثتِ عمومی ﴿اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ (سبا:۲۸) کی ذمہ داریوں کے ذیل میں آپؐ کی مصروفیات' یعنی تحریرِ دعوت نامہ ہائے مبارک اور ترسیلِ وفود' اور چونکہ ان کے ضمن میں آغاز ہو گیا سلطنت روما کے ساتھ عسکری تصادم کا' لہٰذا ترتیب و تنظیم جیوش' جس کے ضمن میں اوّلاً پیش آیا غزوۂ موتہ' ثانیاً سفرِ تبوک اور ثالثاً تیار ہوا جیش اُسامہ' جو روانگی کے لیے تیار ہی تھا کہ آنحضورﷺ نے اس جہانِ فانی سے کوچ کیا اور رفیقِ اعلیٰ کی جانب مراجعت اختیار فرما لی۔ فصلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا وفداہ

آباؤ نا وامّھاتنا!

عقلیں دنگ ہیں کہ آنحضورﷺ نے اپنی حیاتِ دُنیوی کے آخری دو سال کتنی متنوع اور گوناگوں مصروفیتوں میں بسر کیے۔ اور پھر یہ کہ آج تک کوئی نہیں کہہ سکا کہ فلاں معاملے میں انتظامی اعتبار سے آنحضورﷺ سے کسی غلطی کا صدور ہو گیا تھا۔

﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝﴾ (المُلك)

''ذرا نظر دوڑاؤ تو کوئی خامی نظر آتی ہے؟ پھر بار بار اچھی طرح دیکھو' تمہاری نگاہ تھک ہار کر نامراد واپس آ جائے گی (اور کسی پہلو سے کسی غلطی کی نشاندہی تم نہ کر سکو گے)''۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین OO

(ایک تقریر جو ریڈیو پاکستان لاہور کے پروگرام ''خیر البشرﷺ'' میں
۷ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو نشر ہوئی!)

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضراتِ قرآنی ۱۹۹۱ء میں دیے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب : مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

﴿اہم موضوعات﴾

- ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم
- ایمان کا موضوع
- قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث
- ایمان و عمل کا باہمی تعلق
- ایمان اور نفاق
- ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 90 روپے اشاعت عام: 50 روپے

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

از: لطف الرحمٰن خان

نظر ثانی: حافظ نذیر احمد ہاشمی

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۵۹

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝﴾

مَا:

''مَا'' اسمی بھی ہوتا ہے اور حرفی بھی۔ ہر ایک کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ''مَا'' اسمی معرفہ:

ا) ناقصہ یعنی موصولہ (بمعنی وہ جو)۔ ﴿مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (النحل:۹۶)

ب) معرفہ تامہ۔ ﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ﴾ (البقرۃ:۲۷۰) ''مَا'' کی یہ قسم ابن خروف نے بیان کی ہے اور اس کا انتساب سیبویہ کی طرف کیا ہے۔

(۲) اسمی نکرہ مجردہ یعنی حرفی معنی سے خالی:

ا) ناقصہ یعنی موصوفہ۔ اس ''مَا'' کا معنی شیءٌ ہوتا ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے:

لما نَافِعٍ یَسْعٰی اللَّبِیْبُ فَلَا تَکُنْ
لِشَیْءٍ بَعِیْدٍ نفعه الدهر سَاعِیًا

ترجمہ: ''سودمند چیز کے لیے عقل مند کوشش کرتا ہے' اس لیے تم کبھی اس چیز کے لیے کوشاں نہ ہو جس کا فائدہ بعید ہو''۔

﴿هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ﴾ میں بھی ''مَا'' موصوفہ ہے اور عَتِیْدٌ صفت (بقول زمخشری وسیبویہ)

ب) نکرہ تامہ۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فعل تعجب: مَا اَحْسَنَ زَیْدًا۔ اس میں ''مَا'' کا نکرہ تامہ ہونا تمام علماءِ بصرہ کے نزدیک مسلم ہے' لیکن اخفش کا قول ہے کہ اس ''مَا'' کو ہم نکرہ تامہ بھی کہہ سکتے ہیں اور نکرہ موصوفہ اور معرفہ موصولہ بھی۔

(۲) ''نِعْمَ'' اور ''بِئْسَ'' کے بعد جو ''مَا'' آتا ہے وہ بھی زمخشری کے نزدیک نکرہ تامہ ہی ہے' لیکن سیبویہ کے نزدیک معرفہ تامہ ہے۔

(۳) وہ ''مَا'' جو مبالغہ کے لیے آتا ہے اور ''مَا'' سے پہلے عامل مذکور ہوتا ہے اور ''مَا'' کے بعد اس عامل کا معمول ہوتا ہے' مثلاً: زَیْدٌ مِمَّا اَنْ یَّکْتُبَ۔ ''مِنْ'' حرفِ جر عامل ہے اور اَنْ یَکْتُبَ بتاویل مصدر مجرور ہے اور ''مَا'' صرف مبالغہ کے لیے عامل اور معمول کے درمیان ذکر کیا گیا ہے' یعنی زید کی تخلیق ہی کتابت سے ہوئی ہے' زید کتابت کا بنا ہوا ہے۔ سیبویہ' ابن خروف اور ابن مالک نے اس ''مَا'' کو معرفہ تامہ کہا ہے۔ ''مَا'' کی یہ صنف قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔

(۳) ''مَا'' اسمی نکرہ غیر مجردہ یعنی حرفی معنی کو متضمن:

ا) استفہامیہ۔ مَا هِیَ' مَا لَوْنُهَا' مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ۔ ما استفہامیہ اگر مجرور ہو تو ''الف'' کو حذف کرنا واجب ہے تاکہ استفہام اور خبر میں فرق ہو جائے۔ فَبِمَ' لِمَ' اِلَمَ' عَلَمَ۔ ﴿فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا﴾ (النّٰزعٰت:۴۳)' ﴿فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ (النمل)۔ ان سب مثالوں میں ''مَا'' استفہامیہ ہے۔ ﴿لَمَسَّكُمْ فِیْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ (الانفال)' ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ﴾ (البقرۃ:۴)' ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ﴾ (صٓ:۷۵)۔ تینوں مثالوں میں خبری ہونے کی وجہ سے ''مَا'' کا الف حذف نہیں کیا گیا باوجودیکہ مجرور ہے۔ باوجود مجرور ہونے کے ''مَا'' استفہامیہ کا الف باقی رہنا (حذف نہ ہونا) شاذ ہے (صرف شعر میں آیا ہے) اور شاذ قراءتِ متواترہ میں نہیں آ سکتا' یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ''مَا'' استفہامیہ مجرورہ

کا الف کسی جگہ باقی نہیں ہے۔ہاں بعض مفسرین نے ﴿بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ﴾ (یٰسٓ:۲۷) میں ''مَا'' کو استفہامیہ قرار دیا ہے۔زمخشری نے اس ''مَا'' کو استفہامیہ قرار دینے کا جواز نقل کیا ہے لیکن کسائی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت میں ''مَا'' استفہامیہ کیسے ہوسکتا ہے' کیونکہ الف باقی ہے جبکہ ''مَا'' مجرور ہی ہے۔

علاوہ ازیں امام رازی نے تفسیر کبیر میں آیت ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:۱۵۹) میں ''مَا'' کو استفہامِ تعجبی کے لیے قرار دیا ہے' لیکن مذکورہ بالا اصول کی رو سے یہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے' کیونکہ جب مَا استفہامیہ مجرور ہے تو الف کیوں حذف نہیں کیا گیا۔

ب) مَا شرطیہ غیر زمانیہ (بمعنی جو بھی)۔ مثلاً:

﴿مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ (البقرۃ:۱۹۷) اور

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ (البقرۃ:۱۰۶)

ج) مَا شرطیہ زمانیہ بمعنی ما دام (جب تک بھی)۔مثلاً:

﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ (التوبۃ:۷)

قسم دوم: مَا حرفی۔اس کی بھی تین قسمیں ہیں:

(۱) مَا نافیہ۔ یہ اگر جملہ اسمیہ پر داخل ہو تو نجدی' تہامی اور حجازی استعمال میں ''لَیْسَ'' کی طرح اسم کو رفع اور نصب کو خبر دیتا ہے۔مثلاً:

﴿مَا هٰذَا بَشَرًا﴾ (یوسف:۳۱) اور: ﴿مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ﴾ (المجادلۃ:۲)

اگر جملہ فعلیہ پر داخل ہو تو لفظوں میں کوئی عمل نہیں کرتا۔مثلاً:

﴿وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۲۷۲)

جمہور کے نزدیک مضارع کا صیغہ صرف حال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' لیکن ابن مالک کا قول ہے کہ کبھی استقبالی معنی کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔مثلاً:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ﴾ (یونس:۱۵)

(۲) مصدریہ۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے:

ا) غیر زمانیہ۔مثلاً:

﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ (التوبۃ:۲۸)

''تمہارا مشقت میں پڑنا اس پر شاق ہے''۔

﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ﴾ (آل عمران:۱۱۸)

''تمہارا مشقت میں پڑنا وہ دل سے پسند کرتے ہیں''۔

﴿ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾(التوبۃ:۲۵)

''باوجود فراخ ہونے کے زمین ان پر تنگ ہوگئی''۔

﴿فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾(السجدۃ:۱۴)

''اُس دن کی پیشی کو بھولے رہنے کی وجہ سے اب (دوزخ کے عذاب کا) مزہ چکھو''۔

ب) زمانیہ۔ مثلاً:

﴿مَا دُمْتُ حَيًّا ۝﴾(مریم)

''میں اپنی زندگی کی مدت تک''۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾(التغابن:۱۶)

''جب تک استطاعت ہو اللہ سے ڈرتے رہو''۔

(نوٹ) ابن خروف کا کہنا ہے کہ ما مصدریہ بالاتفاق حرف ہے' لیکن اتفاق کا قول غلط ہے' کیونکہ ابوبکر اور اخفش اس کو اسمیہ کہتے ہیں۔

(۳) مَا زائدہ:

ا) کافہ۔ (یعنی سابق عامل کو عمل سے روک دینے والا)

عمل رفع سے روکنے والا ''مَا'' صرف تین افعال کے بعد آتا ہے۔

قَلَّمَا ۔ طَالَ مَا ۔ كَثُرَ مَا ۔

عملِ نصب و رفع سے روکنے والا ''مَا'' حرفِ مشبہ بالفعل کے بعد آتا ہے۔ مثلاً:

﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾(النساء:۱۷۱)

﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝﴾(الانفال)

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾(فاطر:۲۸)

عمل جر سے روکنے والا' یعنی کسی حرف جر یا اسم مضاف کے عمل کو باطل کر دینے والا۔

(۱) مثلاً ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (الحجر)۔ یہ اکثر ماضی پر آتا ہے' لیکن آیت ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ .....﴾ میں تو مضارع پر آیا ہے' تو کیا یہ

استعمال غلط ہے؟ رُمّانی نے کہا ہے کہ اللہ کو مستقبل کا علم بھی ماضی کی طرح ہی ہے اس لیے اس کے کلام میں وَدَّ کی جگہ یَوَدُّ بھی صحیح ہے۔ یا ''کاف'' کے بعد۔ ﴿اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ (الاعراف:۱۳۸) یا ''باء'' کے بعد تقلیل کے لیے۔

فَلَئِنْ صِرْتَ لا تحير جوابًا
بِمَا قَدْ تُرٰى وَاَنْتَ خَطِيْبٌ

(ترجمہ) ''اب اگر تو لوٹا کر جواب نہیں دے سکتا تو کیا عجب ہے' کیونکہ بلاشبہ تیرا خطیب دکھائی دینا بہت کم ہے''۔

(د): کسی طرف مضاف کے بعد۔ مثلاً بَعْدَ مَا' بَيْنَمَا' حَيْثُمَا' اِذْ مَا۔

(ب) مَا زائدہ غیر کافہ۔ مثلاً:

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ﴾ (فُصّلت:۳۶)

﴿اَيًّا مَّا تَدْعُوْا﴾ (الاسراء:۱۱۰)

﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا﴾ (البقرہ:۱۴۸)

﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا﴾ (البقرۃ:۱۱۵)

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

﴿عَمَّا قَلِيْلٍ﴾ (المؤمنون:۴۰)

﴿مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ﴾ (نوح:۲۵)

﴿اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ﴾ (القصص۲۸)

ان تمام آیات میں علماءِ بصرہ کے نزدیک مَا تاکید کے لیے زائدہ ہے۔

آیات ذیل میں ''مَا'' اسمیہ موصولہ ہے حرفیہ نہیں ہے:

﴿اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ﴾ (لقمٰن:۳۰)

''بیشک وہ چیز جو یہ مانگتے ہیں ضرور آنے والی ہے''۔

﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ (المؤمنون:۵۶)

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ (الانفال:۴۱)

ترکیب:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی﴾ میں ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل۔ ''اَلَّذِیْنَ'' اسم موصول۔ ''یَکْتُمُوْنَ'' فعل۔ ''واؤ'' ضمیر فاعل۔ ''مَا'' اسم موصول۔ ''اَنْزَلْنَا'' فعل+ فاعل۔ ضمیر عائد ''ہ'' محذوف مفعول۔ ''مِنْ'' حرف جار ''اَلْبَیِّنَاتِ'' معطوف علیہ ''واو'' حرف عطف ''اَلْھُدٰی'' معطوف۔ معطوف+معطوف علیہ مجرور۔ جار+ مجرور مل کر متعلق کائناً محذوف۔ کائناً اپنے متعلق سے مل کر حال ہے ''ہٗ'' ضمیر محذوف مفعول سے۔

﴿مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ﴾ میں ''مِنْ'' حرف جار۔ ''بَعْدِ'' مضاف ''مَا'' مصدریہ۔ ''بَیَّنّٰہ'' فعل+ فاعل+مفعول۔ ''لِلنَّاسِ'' جار+ مجرور متعلق ''بَیَّنَّا''۔ ''فِی الْکِتٰبِ'' جار+ مجرور متعلق ''بَیَّنَّا''۔ ''بَیَّنّٰہُ'' فعل+ فاعل+ مفعول۔ دونوں متعلق مل کر بتاویل مصدر ہو کر ''بَعْدِ'' کا مضاف الیہ۔ مضاف +مضاف الیہ مل کر مجرور ''مِنْ'' حرف جار کا۔ جار+ مجرور متعلق ''یَکْتُمُوْنَ'' کا۔ ''یَکْتُمُوْنَ'' فعل+ فاعل+ مفعول +متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ موصول ''اَلَّذِیْنَ'' کا۔ موصول+ صلہ مل کر ''اِنَّ'' کا اسم۔

﴿اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ میں ''اُولٰٓئِکَ'' اسم اشارہ مبتدا۔ ''یَلْعَنُ'' فعل ''ھُمْ'' ضمیر مفعول بہ مقدم۔ لفظ ''اللّٰہُ'' فاعل مؤخر۔ فعل+ فاعل+ مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ﴿وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ میں ''واؤ'' حرف عطف ''یَلْعَنُ'' فعل ''ھُمْ'' ضمیر مفعول بہ مقدم۔ ''اللّٰعِنُوْنَ'' فاعل مؤخر۔ فعل+ فاعل+ مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف۔ معطوف اور معطوف علیہ مل کر خبر ہے ''اُولٰٓئِکَ'' کی۔ ''اُولٰٓئِکَ'' مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ''اِنَّ'' کی خبر ہے۔

ترجمہ

اِنَّ : بے شک	اَلَّذِیْنَ : جو لوگ
یَکْتُمُوْنَ : چھپاتے ہیں	مَا : اس کو جس کو
اَنْزَلْنَا : ہم نے نازل کیا	مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی : ہدایت اور کھلی کھلی (نشانیوں) میں سے
مِنْ بَعْدِ مَا : اس کے بعد جو	بَیَّنّٰہُ : ہم نے واضح کیا اس کو

لِلنَّاسِ :لوگوں کے لیے	فِی الْکِتٰبِ : کتاب میں
اُولٰٓئِکَ :وہ لوگ ہیں	یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ :لعنت کرتا ہے جن پر اللہ
وَیَلْعَنُھُمُ : اور لعنت کرتے ہیں	اللّٰعِنُوْنَ :لعنت کرنے والے جن پر

نوٹ (۱) : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول منقول ہیں کہ اگر قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی تو وہ لوگ حدیث بیان نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک حدیث رسولؐ بھی قرآن کے حکم میں ہے۔ (معارف القرآن)۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو واضح کیا ہے۔ ''مِنَ الْبَیِّنٰتِ'' سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے جو واضح احکام ہیں انہیں پھیلانا اور عام کرنا لازم ہے اور ان کو چھپانا ایک جرمِ عظیم ہے۔

آیت ۱۶۰

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۝﴾

ترکیب : ''اِلَّا'' حرفِ استثناء۔ ''الَّذِیْنَ'' اسم موصول۔ ''تَابُوْا'' فعل۔ ''واؤ'' ضمیر فاعل۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ''واؤ'' حرف عطف۔ ''اَصْلَحُوْا'' فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اوّل۔ ''واؤ'' حرفِ عطف۔ ''بَیَّنُوْا'' فعل + فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دوم۔ معطوف علیہ معہ ہر دو معطوف صلہ۔ موصول + صلہ مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منہ ''یَلْعَنُھُمْ'' میں ''ھُمْ'' ضمیر ہے۔ ''فاء'' رابطہ۔ لان فی الموصول رائحۃ الشرط۔ ''اُولٰٓئِکَ'' مبتدأ۔ ''اَتُوْبُ'' فعل۔ ضمیر ''اَنَا'' مستتر فاعل ''عَلَیْھِمْ'' جار + مجرور متعلق ''اَتُوْبُ'' کے۔ فعل + فاعل + متعلق جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے ''اُولٰٓئِکَ'' مبتدأ کی۔ ''وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ'' میں ''واؤ'' حرف عطف ''اَنَا'' مبتدا۔ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ خبر۔

ترجمہ

اِلَّا الَّذِیْنَ :سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے	تَابُوْا :توبہ کی
وَاَصْلَحُوْا :اور اصلاح کی	وَبَیَّنُوْا :اور واضح کیا

فَاُولٰٓئِكَ : تو وہ لوگ ہیں	اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ : میں توبہ قبول کرتا ہوں جن کی
وَاَنَا : اور میں	التَّوَّابُ : بار بار توبہ قبول کرنے والا ہوں
الرَّحِيْمُ : ہر حال میں رحم کرنے والا ہوں	

آیت ۱۶۱

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾

ترکیب : ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل۔ ''الَّذِيْنَ'' اسم موصول۔ ''كَفَرُوْا'' فعل با فاعل (جس میں واؤ ضمیر بارز متصل فاعل ہے) ہو کر معطوف علیہ۔ ''واؤ'' عاطفہ اور ''مَاتُوْا'' فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف۔ معطوف + معطوف علیہ مل کر صلہ ہوا۔ صلہ + موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہوا۔ ''واؤ'' حالیہ ہے۔ ''هُمْ'' ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ''كُفَّارٌ'' اس کی خبر ہے۔ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا۔ ''اُولٰٓئِكَ'' مبتدا ہے ''عَلَيْهِمْ'' جار مجرور ''لَعْنَةُ'' مبتدأ مؤخر ہے۔ لفظ جَلَالَة مضاف الیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ ''اَلْمَلٰٓئِكَةِ'' معطوف' معطوف علیہ۔ پھر واؤ عاطفہ ''النَّاسِ'' معطوف ''اَجْمَعِيْنَ'' اس کی تاکید ہے۔ ''عَلَيْهِمْ'' اپنے مبتدأ مؤخر اور خبر مقدم محذوف کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ''اُولٰٓئِكَ'' مبتدا کی خبر ہوا۔ مبتدا خبر مل کر ''اِنَّ'' کی خبر ہوئی۔

ترجمہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ : بیشک جن لوگوں نے	كَفَرُوْا : انکار کیا
وَمَاتُوْا : اور مرے	وَ : اس حال میں کہ
هُمْ : وہ لوگ	كُفَّارٌ : انکار کرنے والے رہے
اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ : وہ لوگ ہیں جن پر	لَعْنَةُ اللّٰهِ : اللہ کی لعنت ہے
وَالْمَلٰٓئِكَةِ : اور فرشتوں کی	وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ : اور سب کے سب لوگوں کی

آیت ۱۶۲

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾

ترکیب : ''خٰلِدِيْنَ'' جمع مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے جو کہ یہاں حال بن رہا

ہے۔ ''فِیْهَا'' جار مجرور اس کے متعلق ہوا۔ ''لَا'' نافیہ ''یُخَفَّفُ'' فعل مضارع مجہول' ''عَنْهُمْ'' جار مجرور ہو کر متعلق فعل۔ ''الْعَذَابُ'' فعل مجہول کا نائب فاعل' جملہ فعلیہ حال ہوا۔ ''لا'' نافیہ ''هُمْ'' ضمیر مرفوع منفصل مبتدا۔ ''یُنْظَرُوْنَ'' فعل مجہول ''واؤ'' ضمیر بارز متصل اس میں نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی ''هُمْ'' کی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا۔

ترجمہ

خٰلِدِیْنَ: ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہوتے ہوئے	فِیْهَا: اس میں
لَا یُخَفَّفُ: ہلکا نہیں کیا جائے گا	عَنْهُمُ الْعَذَابُ: ان سے عذاب کو
وَلَا هُمْ: نہ ہی وہ لوگ	یُنْظَرُوْنَ: مہلت دیے جائیں گے

آیت ۱۶۳

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾

ترکیب : ''واؤ'' استیناف' ''اِلٰه'' مبتدأ ''کُمْ'' ضمیر مضاف الیہ ''اِلٰهٌ'' خبر' ''وَاحِدٌ'' اس کی تاکید ہے۔ ''لَا'' لائے نفی جنس ''اِلٰهَ'' اس کا اسم جو مبنی علی الفتح ہے۔ ''اِلَّا'' حرف استثناء ''هُوَ'' ضمیر مرفوع منفصل مستثنیٰ۔ لائے نفی جنس کی خبر محذوف ہے جو کہ مَوْجُوْدٌ ہے' لیکن یہاں پر ''بِحَقٍّ'' جار مجرور بھی محذوف مانیں گے۔ تقدیر عبارت یہ ہوئی: ''لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ مَوْجُوْدٌ اِلَّا اللّٰهُ'' (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق موجود نہیں ہے) ''الرَّحْمٰنُ'' خبر ''الرَّحِیْمُ'' اس کا بدل ہے۔ ''هُوَ'' ضمیر مبتدأ محذوف ہے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

ترجمہ

وَاِلٰهُكُمْ: اور تم لوگوں کا الٰہ	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: واحد الٰہ ہے
لَا اِلٰهَ: کسی قسم کا کوئی الٰہ نہیں ہے	اِلَّا: مگر
هُوَ: وہ	الرَّحْمٰنُ: جو بے انتہا رحم کرنے والا ہے
الرَّحِیْمُ: جو ہر حال میں رحم کرنے والا ہے	

سلسلۂ نباتات قرآن (قسط 9)

مَنّ

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

عربی: ترنجبین۔ کزنجبین
اردو: تُرنجبین۔ گزنجبین
فارسی: تُرنجبین۔ گزنجبین
انگریزی، جرمن، اطالوی: Manna
فرانسیسی: Manne
عبرانی: من
روسی: Beli Yasin
ہندی: کاہری
تامل، تلیگو: مینا
ملاوی: منّا
نباتاتی نام: Alhagi maurorum Medic نباتاتی خاندان: Leguminosae

قرآن حکیم میں منّ (م۔ن۔ن) کا ذکر تین آیات میں آیا ہے:

○ سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۷:

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾

''ہم نے تم پر اَبر کا سایہ کیا' اور منّ وسلویٰ کی غذا تمہارے لیے فراہم کی اور تم سے کہا کہ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں' انہیں کھاؤ' مگر تمہارے اسلاف نے جو کچھ کیا' وہ ہم پر ظلم نہ تھا' بلکہ انہوں نے آپ اپنے ہی اوپر ظلم کیا''۔

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶۰:

﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴿۱۶۰﴾
''اور ہم نے اس قوم کو بارہ گھرانوں میں تقسیم کر کے انہیں مستقل گروہوں کی شکل دے دی تھی' اور جب موسیٰ سے اُس کی قوم نے پانی مانگا تو ہم نے اُس کو اشارہ کیا کہ فلاں چٹان پر اپنی لاٹھی مارو۔ چنانچہ اس چٹان سے یکا یک بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنے پانی لینے کی جگہ متعین کر لی۔ ہم نے اُن پر بادل کا سایہ کیا اور اُن پر منّ وسلویٰ اتارا۔ کھاؤ وہ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو بخشی ہیں۔ مگر اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا' تو ہم پر ظلم نہیں کیا' بلکہ آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے''۔

سورۂ طٰہٰ کی آیات ۸۰ اور ۸۱:

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی﴿۸۰﴾ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْہِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْہِ غَضَبِیْ فَقَدْ ھَوٰی﴿۸۱﴾﴾

''اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور طور کے دائیں جانب تمہاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا اور تم پر منّ وسلویٰ اتارا۔ کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک رزق اور اسے کھا کر سرکشی نہ کرو' ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا' اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ پھر گر کر ہی رہا۔''

''مَنّ'' لغت میں ہر اُس احسانِ الٰہی کو کہتے ہیں جس کے حاصل کرنے میں کسی قسم کی محنت ومشقت نہ اٹھائی جائے۔ نیز مَنّ کے معنی احسان جتلانے کے بھی ہیں۔ قرآن کریم میں وحی کو بھی مَنّ سے تعبیر کیا گیا ہے' کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے بلاکسب وہنر محض وہبی طور پر عطا ہوتی ہے (سورۃ ابراہیم:۱۱)۔ یہ مَنّ رسول پر ہے' اور رسول کا اِس وحی کو لے کر انسانوں کے پاس آنا' انسانوں پر اللہ کا مَنّ ہے (آل عمران:۱۶۴)۔ بنی اسرائیل کا فرعون کے استبداد سے نجات پالینا خدا کا مَنّ تھا (سورۃ القصص:۵)۔

نباتات کے مفہوم میں مَنّ سے مراد وہ خاص غذا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے صحرائے سینا میں خاص اپنے فضل سے مہیا فرمائی' جس کے لیے نہ انہیں ہل چلانے پڑے نہ تخم ریزی اور آب پاشی کی زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ مَنّ اور سلویٰ وہ غذائیں ہیں جو اُس مہاجرت کے زمانے میں بنی اسرائیل کو چالیس سال تک مسلسل ملتی رہیں۔ مَنّ دھنیے کے بیج

جیسی ایک چیز تھی جو اَوس کی طرح گرتی اور زمین پر جم جاتی تھی' اور سلویٰ بٹیر کی قسم کے پرندے تھے۔ بائبل کا بیان ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد جب بنی اسرائیل دشتِ سین میں ایلیم اور سینا کے درمیان گزر رہے تھے' اور خوراک کے ذخیرے ختم ہو کر فاقوں کی نوبت آ گئی تھی' اُس وقت منّ وسلویٰ کا نزول شروع ہوا اور فلسطین کے آباد علاقے میں پہنچنے تک پورے چالیس سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ تورات میں اس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے:

''اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بٹیریں آئیں کہ ان کی خیمہ گاہ کو ڈھانک لیا اور صبح کو خیمے کے آس پاس اوس پڑی ہوئی تھی اور جب اوس' جو پڑی ہوئی تھی' سوکھ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز' ایسی چھوٹی جیسے پالے کے دانے ہوتے ہیں' زمین پر پڑی ہے۔ بنی اسرائیل اس کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگے ''مَنْ ؟'' کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے۔ تب موسیٰؑ نے اُن سے کہا یہ وہی روٹی ہے جو خداوند نے کھانے کو تم کو دی ہے..... اور وہ ہر صبح کو اپنے اپنے کھانے کی مقدار کے مطابق جمع کر لیتے تھے اور دھوپ تیز ہوتے ہی وہ پگھل جاتا تھا''۔

(خروج' باب ۱۶' آیت ۱۳ تا ۲۱)

اور ''گنتی'' میں اس کی مزید تشریح یہ ملتی ہے:

''لوگ اِدھر اُدھر جا کر اسے جمع کرتے اور اسے چکی میں پیستے یا اوکھلی میں کوٹ لیتے تھے' پھر اسے ہانڈیوں میں اُبال کر روٹیاں بناتے تھے۔ اُس کا مزا تازہ تیل کا سا تھا۔ اور رات کو جب لشکر گاہ میں اوس پڑتی تو اُس کے ساتھ مَنّ بھی گرتا تھا''۔

(باب ۱۱' آیت ۸'۹)

مشہور مؤرخ و محقق ابوریحان البیرونی (۹۷۳ء۔۱۰۵۰ء) غالباً پہلے سائنس دان تھے جنہوں نے اس امر کی نشاندہی کی کہ عربستان میں ''الحاج'' نامی پودے سے جو گوند حاصل کیا جاتا ہے اور جسے عرب تُرنجبین کہتے ہیں' وہ درحقیقت ''مَنّ'' ہے جس کا ذکر بنی اسرائیل کی غذا کی حیثیت سے قرآن مجید میں آیا ہے۔ البیرونی نے تحقیق اور مشاہدے کے بعد یہ بھی بتایا کہ ''الحاج'' کے پودے کے اندر چھوٹے چھوٹے پسّو کی شکل کے کیڑے رہتے ہیں' یہ کیڑے ہی ''مَنّ'' بناتے ہیں' جس طرح کہ شہتوت کے درخت پر رہنے والے کیڑے ریشم بناتے ہیں۔ ''ترنج'' (Citron) چھوٹا سا سدا بہار پودا ہے جو ایشیا میں منطقہ حارّہ میں پایا جاتا ہے اور دوسرے ترنجی پھل دار درختوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے بڑے سے لیمونما پھل کا

چھلکا قند کے قوام میں محفوظ کر کے مٹھائیوں اور کھانوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ''ترُنجبین'' کو ایران میں ''ترانگبین'' کہا جاتا ہے۔ ''تر'' کے معنی تازہ اور ''انگبین'' کے معنی شہد کے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''الحاج'' سے جو گوند حاصل کیا جاتا ہے وہ دراصل شبنمی قطروں سے بنتا ہے یا شبنمی قطروں پر کیڑوں کی آزمایش سے بنتا ہے۔

البیرونی کے بعد ''الحاج'' سے نکلنے والے اس قدرتی جوہر کے بارے میں کوئی سائنٹیفک تحقیق نہیں کی گئی۔ ۱۹۲۲ء میں مشہور مستشرق برکہارٹ (Burckhard) نے اپنی انگریزی کتاب ''سفرنامہ شام وارضِ مقدس'' میں لکھا ہے کہ فلسطین اور شام کے بعض درختوں میں ایسے کیڑے رہتے ہیں جو میٹھا ''مَنّ'' بناتے ہیں۔ برکہارٹ نے لکھا تھا کہ خاص قسم کے کیڑے جب درخت کے تنے میں سوراخ کر کے اندر گھستے ہیں تو دھوپ کی تمازت سے درخت سے عرق نکلتا ہے جو ٹھنڈی راتوں میں جم کر گوند بن جاتا ہے۔ برکہارٹ کی کتب کی اشاعت کے بعد دو ماہرین نباتیات شرن برگ اور ہمپرک نے کمر ہمت باندھی اور تحقیق کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۲۹ء میں اپنی تحقیق کا نتیجہ ایک رپورٹ کی صورت میں شائع کیا جس کے مطابق خاص درختوں سے دن میں نکلنے والا اور رات کو جم جانے والا مادہ ہی دراصل ''مَنّ'' ہے جس کا ذکر بائبل میں گیارہ مرتبہ اور قرآن مجید میں تین مرتبہ آیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں ''مَنّ'' کا ذکر آیا ہے ''سلویٰ'' کے ساتھ آیا ہے۔ ایک نبات ہے، دوسرا پرندہ۔ بائبل میں ''سلویٰ'' کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ (سلویٰ کی تفصیل ان شاء اللہ حیوانیاتِ قرآن'' میں بتائی جائے گی۔ یہ سلسلہ ''نباتاتِ قرآن'' کے ختم ہونے کے بعد ''حکمتِ قرآن'' ہی میں شروع کیا جائے گا!)

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت، اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک جامع خطاب

☆ صفحات: 72 ☆ قیمت: 15 روپے

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اِثْنَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ : يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ)) (مسند احمد)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لیے بڑی بہتری ہوتی ہے): ایک تو وہ موت کو نہیں پسند کرتا' حالانکہ موت اس کے لیے فتنہ سے بہتر ہے' اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو پسند نہیں کرتا' حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے''۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے اور غربت اور افلاس سے گھبراتا ہے' حالانکہ موت انسان کو دنیا کے دکھوں' آزمائشوں اور پریشانیوں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ اسی طرح مال و دولت کی کمی اگرچہ زندگی کو بے مزہ رکھتی ہے لیکن اگر انسان مشکل کا یہ وقت صبر و استقلال کی کیفیت اور شکر کے جذبات کے ساتھ گزار لیتا ہے تو آخرت میں وہ احتساب کے مرحلے سے جلد اور آسانی کے ساتھ فارغ ہو جائے گا۔

موت طبعی طور پر ہر شخص کو ناپسند ہے' کیونکہ موت دنیاوی زندگی کے خاتمے کا نام ہے۔ زندگی کے دوران انسان کئی طرح کے مشاغل میں مصروف ہوتا ہے۔ اس کی اپنے اہل و عیال' عزیز و اقارب اور دوست احباب کے ساتھ گہری اور فطری وابستگی ہوتی ہے' مگر موت ان سارے تعلقات کو یکسر معدوم کر دیتی ہے' لہٰذا انسان کو دنیاوی تعلقات کا چھوٹنا گوارا نہیں ہوتا۔ موت کا خوف انسان کو اس اعتبار سے بھی ہوتا ہے کہ اگلی زندگی میں پہلی منزل قبر کی ہوگی جہاں سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا' پھر برزخی زندگی سے گزرنا ہوگا اور قیامت کے دن محاسبے کا سامنا کرنا ہوگا جہاں زندگی کے چھوٹے بڑے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی

اور جواب دہی سے ہر کسی کو ڈر لگتا ہے۔

مگر موت کا خوش آئند پہلو یہ ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی انسان زندگی کے لوازمات یعنی بیماری، دکھ، تکالیف، حادثات، صدمات، تفکرات اور پریشانیوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ دنیا میں انسان ہمہ وقت آزمائش میں ہے۔ قدم قدم پر جائز و ناجائز کی پابندیاں ہیں۔ لحہ بہ لحہ خواہشاتِ نفس برائی کی طرف دامن کھینچ رہی ہیں مگر موت اس فتنے اور آزمائش کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ حدیث میں دنیا کو مؤمن کے لیے قید خانہ کہا گیا ہے۔ گویا مؤمن کی موت قیدِ حیات سے رہائی کا مرحلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کو مؤمن کا تحفہ کہا جاتا ہے۔ مؤمن نے دنیا کی زندگی میں نیک اور صالح اعمال کیے ہوتے ہیں، اس کے یہ اچھے اعمال اُس کے لیے ذخیرۂ آخرت ہیں جن کا وہ ربّ ذوالجلال سے بھرپور بدلہ پائے گا۔ کیونکہ پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ پس مؤمن نے اگر خلوصِ دل کے ساتھ اللہ کی عبادت کی ہوگی، زندگی میں نافرمانیوں سے بچتا رہا ہوگا، اللہ کی رضا والے کام کرتا رہا ہوگا اور برائیوں سے حتی الوسع دور رہا ہوگا تو اُسے جنت کی بشارت موت کے وقت متبسم رکھے گی۔ موت اسے گویا لقاءِ الٰہی کا موقع فراہم کر رہی ہے۔ وہ اس پروردگار سے ملاقات کرنے والا ہے جسے اس نے دنیا میں راضی رکھنے کی کوشش کی ہے اور اُس کی ناراضی سے بچتا رہا ہے۔ یوں اس نے اپنے پروردگار کے ساتھ اچھی شناسائی پیدا کی ہوئی ہے۔ تو اب موت اُس کے لیے کسی صدمے اور پریشانی کا باعث کیوں ہوگی! علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

''میں تجھے مردِ مؤمن کی نشانی بتاتا ہوں۔ جب اسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے''۔ (اے اللہ ہم ایسی موت کی تمنا کرتے ہیں!)

دوسری چیز جس کو آدمی پسند نہیں کرتا، وہ مفلسی اور ناداری ہے۔ کیونکہ مفلس آدمی دنیا کی آسائشوں سے محروم رہتا ہے، اسے خوشحالی کی زندگی میسر نہیں ہوتی۔ مال و دولت کی کمی کی وجہ سے وہ دنیا کی نعمتیں حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے تنگی اور عسرت کے ساتھ وقت گزارنا پڑتا ہے۔ وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح اس کے پاس بھی راحت و آرام کے سارے سامان موجود ہوں، مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی۔ یوں غریب آدمی اس راحت و آرام سے عاری زندگی

سے خوش نہیں ہوتا۔ مگر اس میں خیر کا پہلو بھی ہے' اور وہ یہ کہ مال و دولت کے ساتھ جہاں آدمی اپنی زندگی میں سہولتیں اور آسائشیں حاصل کر لیتا ہے وہاں اسی دولت کے بل بوتے پر بڑے بڑے گناہ بھی کر بیٹھتا ہے۔ دولت مند آدمی اسراف اور تبذیر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مال کی محبت دوسروں کی حق تلفی کا سبب بنتی ہے۔ جہاں جہاں مال و دولت خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں اسے خرچ کرنا گوارا نہیں ہوتا۔ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا' فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتا' قریبی رشتہ داروں' ناداروں اور مستحقین کی مدد نہیں کرتا۔ اس طرح وہ اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی رضا اور مرضی کے مطابق خرچ نہیں کر پاتا اور اپنے پروردگار کو ناراض کر بیٹھتا ہے۔ روزِ حساب مال و دولت کے بارے میں جب ایسے شخص سے باز پُرس ہوگی تو وہ قصور وار ٹھہرے گا۔ جتنا زیادہ مال دار ہوگا اُس کا اتنا ہی لمبا چوڑا حساب ہوگا۔ اور جب ذرے ذرے کا حساب ہوا تو کون ایسا ہوگا جو اپنی دولت کا حساب دے سکے گا۔ مگر غریب اور مفلس اس بہت بڑے محاسبے سے بچ جائے گا۔ جب اس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے لیے ہی مال نہ تھا تو وہ فضول خرچی سے خود بخود بچ گیا۔ جب وہ خود مستحقین میں شامل ہوگا تو حج اور زکوٰۃ کے بارے میں اُس سے سوال ہی نہیں ہوگا۔ یوں یہ مفلس و نادار اگر صبر کے ساتھ زندگی گزارنے میں کامیاب ہو گیا' کمائی کے ناجائز ذرائع کے قریب نہ گیا تو وہ حساب کے مرحلے سے آسانی کے ساتھ گزر جائے گا جو بہت بڑی کامیابی ہے۔

مال و دولت بہت بڑا فتنہ ہے جس سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا آسان کام نہیں۔ اسی لیے انبیاء اور صالحین نے دولت کی تمنا نہیں کی۔ انہوں نے عسرت کی زندگی کو خوشحالی کی زندگی پر ترجیح دی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فقر و فاقہ کی زندگی پسند کی' جس میں مفلس و نادار لوگوں کے لیے بہت بڑی تسلی ہے۔ آپ کا یہ فقر اختیاری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اُس نے کہا اے محمد! آپؐ کے ربّ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے پتھریلے میدان آپ کے لیے سونا بنا دوں۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا نہیں۔ اے میرے ربّ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں تاکہ آپ کا شکر اور تعریف کروں' اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ آپ سے مانگوں۔ (حیات الصحابہؓ' حصہ دوم)

غربت اور افلاس کے ساتھ شکوہ و شکایت اور بے صبری نہ ہو تو ایسا فقر و فاقہ بہت بڑی

سعادت ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو راضی برضا رہتے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں اور لذائذ حیات کے حصول کی خاطر ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرتے۔

پس جس شخص نے زندگی میں اعمال صالحہ کے لیے اور منکرات سے بچنا موت اس کے لیے بڑی نعمت ہے کہ ایک طرف وہ دنیا کی مشقت اور آزمائش سے فارغ ہوا اور دوسری طرف وہ آنے والی زندگی میں کامیاب ٹھہرا۔ اسی طرح جس شخص پر عسرت وغربت طاری رہی زندگی مشقت اور بدحالی میں گزاری مگر وہ حرفِ شکایت لب پر نہیں لایا بلکہ صبر اور شکر کی تصویر بنا رہا۔ تو اُسی کے لیے یہ فقر و فاقہ واقعی ایک نعمت سے کم نہیں۔ ☆ ☆ ☆

اسلامی موضوعات پر اردو سائنس بورڈ کی کتابیں

(1) اسلام اور تزکیہ نفس — تحریر: ڈاکٹر محمد امین

انسانی شخصیت کی متوازن تعمیر اور بحالی کے حوالے سے اسلامی تصورات اور مغربی نفسیات کا تقابلی مطالعہ۔ اسلامی نفسیات کو سائنسی بنیادوں پر تعمیر کرنے میں معاون' پی ایچ ڈی مقالہ

قیمت: 1000 روپے

(2) تاریخ اسلام: ایک نظر میں — تحریر: جمیل یوسف

اسلامی تاریخ پر ایک مجمل اور طائرانہ نظر' دلچسپ اور رواں انداز بیان

قیمت: 80 روپے

(3) سیر الاولیاء — ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی

امیر خورد کی تاریخی تصنیف۔ اولیاء کرام کے بارے میں جامع کتاب

قیمت: 450 روپے

(4) بلوغ الارب — ترجمہ: ڈاکٹر پیر محمد حسن

سرزمین عرب کی قدیم تاریخ پر محمود شکری آلوسی کی تاریخی کتاب کا خوبصورت ترجمہ۔ تاریخ عرب پر تحقیق کرنے والوں کے لیے نایاب تحفہ۔

قیمت مکمل سیٹ (چار جلد): 1000 روپے

اردو سائنس بورڈ (وزارتِ تعلیم' حکومت پاکستان)

صدر دفتر: 299۔ اپر مال' لاہور۔ فون: 5758475-5754498 فیکس: 5754281

برانچ آفسز: o سوئیکارنو سکوائر' خیبر بازار' پشاور' فون اور فیکس 091-253257

o منظور چیمبرز' گاڑی کھاتہ' حیدر آباد (سندھ) فون اور فیکس: 0221-9200070

قرآن کا اندازِ خطاب
اور
اس کی اقسام (۲)

مصنف: الامام بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی

ترجمہ وتلخیص: حافظ محمد زبیر ☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

⑮ واحد اور جمع کو تثنیہ کے ساتھ خطاب

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ﴾ (ق:۲٤)

''تم دونوں جہنم میں ڈالو۔''

یہاں خطاب جہنم کے داروغے ''مالک'' سے ہے۔ (جبکہ صیغہ تثنیہ کا ہے)

فراء کے نزدیک یہاں جہنم کے داروغوں اور زبانیہ (فرشتوں) سے خطاب ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہاں خطاب دو موکل فرشتوں سے ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ (ق)

''اور آئے گی ہر جان اس حال میں کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا (فرشتہ) ہوگا اور ایک گواہ (فرشتہ) ہوگا''۔

ابوعثمان مازنی کہتے ہیں کہ تثنیہ کی ضمیر اس لیے استعمال کی تاکہ تاکید لفظی سے بچا جا سکے یعنی ''اَلْقِ اَلْقِ'' کہنے سے۔ اور امام مہدوی نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بھی اسی نوع کے تحت شمار کیا ہے۔

(۲) ﴿قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ (یونس:۸۹)

☆ شعبۂ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی لاہور

''(اللہ نے) کہا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔''

یہاں خطاب اکیلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے' کیونکہ وہ داعی ہیں۔ ایک قول یہ بھی کہ یہاں خطاب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں سے ہے' کیونکہ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کی دعا پر آمین کہی تھی اور آمین کہنے والا بھی دعا کرنے والوں میں شامل ہوتا ہے۔

⑯ تثنیہ کو واحد کے لفظ کے ساتھ خطاب کرنا

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى﴾ (طٰہٰ)

''تم دونوں کا ربّ کون ہے اے موسیٰ؟''

یہاں مراد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ہیں۔

(۲) ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ (طٰہٰ)

''پس وہ ہرگز تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے' تو تو (اے آدم!) نامراد ہو جائے گا۔''

(۳) ﴿فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الشعراء)

''پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور (اسے) کہو کہ ہم ربّ العالمین کے رسول ہیں۔''

اسی طرح تثنیہ کے لیے جمع کو لایا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۴) ﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ (التحریم:٤)

''اگر تم دونوں اللہ کے ہاں توبہ کرو تو تمہارے دل (اس طرف) مائل ہو ہی چکے ہیں۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۵) ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا﴾ (الحج:١٩)

''یہ دو فریق ہیں' انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔''

یہاں ''اِخْتَصَمَا'' نہیں فرمایا۔

(۶) ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (البقرۃ:٣٧)

''اللہ تعالیٰ نے اس (آدم) کی توبہ قبول کر لی۔''

یہاں ''عَلَيْهِ'' فرمایا ''عَلَيْهِمَا'' نہیں کہا۔ (حالانکہ مراد حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں ہیں)

⑰ واحد کے بعد جمع سے خطاب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ﴾ (یونس:۶۱)
''اور نہیں آپ ہوتے کسی حال میں یا (آپؐ) قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتے اور نہیں تم کوئی عمل کرتے۔''

یہاں تیسری جگہ فعل کو جمع کر دیا گیا۔ ابن الانباری کہتے ہیں تیسری جگہ فعل کو جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ آپ ﷺ کے ساتھ خطاب میں اُمت بھی شامل ہے اور اُمت کو آپؐ کے ساتھ جمع کرنے کا مقصد اُمت کی تعظیم و تکریم ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ﴾ (البقرۃ:۷۵)
''کیا تم (مسلمان) امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے۔''

(۲) ﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس)
''اور ہم نے وحی کی حضرت موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کی طرف کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھر مقرر کرو اور اپنے گھروں کو قبلہ رُخ بناؤ اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو خوشخبری دے دیں۔''

پہلے فعل کو صیغہ تثنیہ کے ساتھ بیان کیا' پھر جمع کے صیغہ کے ساتھ اور آخر میں صیغہ واحد کے ساتھ بیان کیا۔ پہلے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو خطاب تھا' پھر خطاب ان دونوں انبیاء اور ان کی قوم کے لیے عام ہو گیا کہ مسجد بنائیں اور نماز پڑھیں' کیونکہ یہ ان پر واجب ہے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشارت کے خطاب کے ساتھ مخصوص کیا۔

⑱ عین کو خطاب ہو اور مراد غیر ہو

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
(۱) ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ﴾ (الاحزاب:۱)
''اے نبیؐ! اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔''

یہاں بظاہر رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے' لیکن مراد مؤمنین ہیں' کیونکہ آپ ﷺ تو انتہائی درجہ کے متقی تھے اور کافرین و منافقین کی اطاعت سے پاک تھے۔ اس کی دلیل اگلی آیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

خَبِيْرًا ﴾ (الاحزاب)

''اور آپؐ پیروی کریں اس کی جو کہ آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ جو بھی تم کر رہے ہو اُس سے باخبر ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (یونس:٩٤)

''پس اگر آپؐ کو شک ہو اس کے بارے میں جو ہم نے آپؐ کی طرف نازل کیا تو آپؐ پوچھ لیں ان لوگوں سے جو آپؐ سے پہلے کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔''

اس کی دلیل آنے والی آیت ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ﴾ (یونس:١٠٤)

''کہہ دیجیے اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو''۔

بعض علماء نے اس آیت کو اس کے حقیقی معنی و مفہوم میں لیا ہے اور اس کی تاویل کی ہے۔ ابوعمر الزاہد ''الیاقوت'' میں کہتے ہیں کہ میں نے دو اماموں ثعلب اور المبرد سے سنا ہے' وہ دونوں کہتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اے محمدؐ کہہ دیں: اے سننے والے! اگر تجھ کو اس قرآن میں کوئی شک ہے تو یہود میں مسلمان ہونے والے افراد سے پوچھ لے' کیونکہ وہ اصحابِ کتاب ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔

(۳) ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ (التوبۃ:٤٣)

''(اے نبیؐ!) اللہ آپ کو معاف رکھے' آپؐ نے کیوں انہیں رخصت دے دی؟''

اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ابن فورک کہتے ہیں: اللہ آپ کے لیے کشادگی کرے ''لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ'' کا ٹکڑا منافقین کے لیے ہے اور درحقیقت یہ اُن پر عتاب ہے' اگرچہ ظاہر میں خطاب آپ ﷺ سے ہے۔

(۴) ﴿...... لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (الزمر)

''...... آپؐ کے اعمال لازماً ضائع ہو جائیں گے اور آپؐ یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

(۵) ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (البقرۃ)

''اور اگر آپؐ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد کہ آپؐ کے ہاں علم آ گیا تو بے شک آپؐ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

ان دونوں مقامات پر بھی بظاہر خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن مراد آپؐ کا غیر ہے۔ اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے کہ آپؐ کی عصمت کے ثبوت کے ساتھ ایسا خطاب کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ یہ ''خطاب علیٰ سبیل الفرض'' ہے اور محال چیز کا کسی غرض سے فرض کرنا صحیح ہے۔ تحقیق اس باب میں یہ کہتی ہے کہ اس قسم کے تمام خطابات عام ہیں اور ان میں کوئی معین شخص یا ذات مراد نہیں ہے۔

اس کے برعکس بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ خطاب عام ہو اور مراد اللہ کے رسول ﷺ ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۲) ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ﴾ (الانبیاء: ۱۰)

''ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے۔''

⑲ خطاب الاعتبار

اللہ تعالیٰ کا وہ قول جو کہ حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں ہے جب انہوں نے اپنی قوم کی ہلاکت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

(۱) ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ (الاعراف)

''پس حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے مُنہ موڑ لیا اور کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں اپنے ربّ کا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ان کی ہلاکت کے بعد خطاب کیا۔ یا تو وہ سن رہے تھے جیسے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اہل بدر سے خطاب کیا تھا اور آپؐ نے صحابہ کے پوچھنے پر جواب دیا ''وَاللّٰهِ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ'' (اللہ کی قسم تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔) یا پھر ان کے سننے کا اعتبار کرتے ہوئے یہ کلمات کہے۔

(۲) ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا﴾ (العنکبوت: ۲۰)

''کہہ دیجیے تم چلو پھرو زمین میں پس دیکھو۔''

(۳) ﴿اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ﴾ (الانعام: ۹۹)

''تم دیکھو اس کے پھل کی طرف جب وہ پھل لے کر آئے۔''

⑳ معین شخص کو خطاب ہو پھر اس سے عدول ہو

(۱) ﴿فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ﴾ (ھود:۱٤)

''پس اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں۔''

یہاں اللہ کے نبی ﷺ سے خطاب ہے۔ آگے چل کر کفار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ﴾ (ھود:۱٤)

''پس جان لو کہ یہ اللہ کے علم ہی سے نازل کیا گیا ہے۔''

کیونکہ آگے چل کر فرمایا:

﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ (ھود)

''پھر کیا تم مسلمان ہوتے ہو (یا نہیں)؟''

㉑ خطابِ تلوین

یعنی کلام میں ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا۔ امام ثعلبی نے اسے ''خطابِ متلون'' کا نام دیا ہے اور اہل المعانی اسے ''التفات'' کہتے ہیں۔

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (الطلاق:۱)

''اے نبیؐ! جب تم عورتوں کو طلاق دو''۔

﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ۝﴾ (طٰہٰ)

''تم دونوں کا ربّ کون ہے اے موسیٰ؟''

㉒ جمادات سے خطاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ ۝﴾ (فُصّلت)

''پس اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ آ جاؤ (وجود میں) چاہے خوشی سے ہو یا ناخوشی سے' تو ان دونوں نے کہا ہم خوش دلی سے آ گئے۔''

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حقیقی خطاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی زندگی اور ادراک عطا کیا جو کہ ان کے نطق کے متقاضی ہے یا یہ مجازی خطاب ہے کہ ان میں اس قول کے مطابق اطاعت اور خشوع و خضوع پیدا ہو گیا۔ ابن عطیہ کے نزدیک پہلا قول بہتر ہے۔

㉒ خطاب تہییج

یعنی کسی کو کسی بات پر ابھارنا یا شوق دلانا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ جو توکل نہیں کرتا اس میں ایمان نہیں' بلکہ توکل پر ابھارنا مقصود ہے۔

(۲) ﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبۃ)

''پس اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔''

(۳) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرۃ)

''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو بھی سود میں سے باقی ہے اگر تم مؤمن ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں خطاب کرتے ہوئے انہیں ایمان کی صفت سے موصوف فرمایا' پھر کہا ''اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' ان الفاظ سے انہیں سود چھوڑنے پر ابھارنا اور جوش دلانا مقصود ہے۔ یعنی اہل ایمان کا تو یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ایسا کریں۔

(۴) ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (الانفال)

''اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

㉓ خطاب اغضاب:

اس سے مراد غصہ دلانے والا خطاب ہے۔

(۱) ﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (الممتحنۃ)

''اللہ تعالیٰ تو تم کو ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر ایک دوسرے کی مدد کی۔ اور جو (تم میں سے) ان سے دوستی رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہوں گے۔''

(۲) ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ (الکہف)

''کیا تم نے مجھے چھوڑ کر اُس (شیطان) کو اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بنا لیا ہے حالانکہ وہ

تمہارے دشمن ہیں' ظالموں کے لیے بہت ہی برا بدل ہے۔''

(۳) ﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (النساء:۸۹)

''وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کاش تم بھی اسی طرح کفر کرو جیسا انہوں نے کفر کیا اور تم سب اس (کفر) میں برابر ہو جاؤ۔ پس تم ان کو اُس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کریں۔''

۲۵ خطاب تشجیع اور تحریض

یعنی کسی کو صفاتِ جمیلہ کے ساتھ متصف ہونے پر ابھارنا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ (الصف)

''بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں صفیں باندھ کر قتال کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

(۲) ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ﴾ (الانفال:۱۶)

''اور جو اُن میں سے اس دن اپنی پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔''

اور اُس قوم کو کیسے صبر نہ آئے گا جس سے اللہ عزوجل نے مدد کا وعدہ کیا ہو! جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۳) ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾ (آل عمران)

''اور نہیں ہے مدد مگر اس اللہ کی طرف سے جو غالب' حکمت والا ہے۔''

(۴) ﴿فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ﴾ (النساء:۱۰۴)

''بے شک وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے کہ تم تکلیف اٹھاتے ہو اور تم اللہ سے اس بات کی توقع وامید رکھتے ہو جس کی وہ نہیں رکھتے۔''

ترغیب وترہیب کے باب میں آنے والے قصص اسی نوع سے تعلق رکھتے ہیں جن میں بدبخت اقوام پر نازل کردہ عذاب اور نیک بختوں کے لیے اجر وثواب کا تذکرہ ہوتا ہے۔

۲۶ خطاب تنفیر

کسی چیز سے نفرت دلانا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا

فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾ (الحُجرات)

''اور تم میں کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی ایک اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے ؟ پس اس کو تم بہت ناپسند کرتے ہو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس آیۂ مبارکہ میں اُن اوصاف کو برے انداز میں بیان کیا گیا ہے جو ایک غیبت کرنے والے شخص میں اس وقت پائے جاتے ہیں جبکہ وہ کسی کی عزت کو تار تار کر رہا ہوتا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کے محاسن میں استفہام بھی ہے جس میں زجر و توبیخ ہے۔ کراہت کی انتہا کو محبت کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ فعل کی نسبت ''اَحَدُكُمْ'' کی طرف اس لیے کی کہ تم میں کوئی اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ اور انسان کے گوشت کھانے پر اکتفانہ کیا بلکہ ''بھائی'' کا گوشت کہا' پھر بھائی پر بھی اکتفانہ کرتے ہوئے مردار کی صفت ساتھ لگا دی اور یہ مبالغے کی انتہا ہے۔ جس کی غیبت کی جارہی ہے وہ چونکہ غائب ہے اس لیے وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہے اس لیے اس کو میّت سے تشبیہ دی گئی۔

⑰ خطاب تحنّن اور استعطاف

یعنی کسی پر رحم و ترس کھاتے ہوئے اس سے خطاب کرنا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ﴾ (الزمر:۵۳)

''کہہ دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔''

⑱ خطابِ تحبیب

جس خطاب میں محبت بھرا انداز ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ﴿يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ﴾ (مریم:۴۲)

''اے میرے ابا جان! آپ ان (بتوں) کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔''

(۲) ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾ (لقمٰن:۱۶)

''اے میرے بچے! اگر وہ (نیکی) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگی۔''

(۳) ﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ﴾ (طٰہٰ:۹۴)

''اے میری ماں کے بیٹے! نہ تم میری داڑھی کو پکڑو اور نہ میرے سر کو۔''

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے:

يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ

''اے عباس! اے اللہ کے رسول ﷺ کے چچا جان!''

㉙ خطاب تعجیز

کسی کو عاجز ثابت کرنے کے لیے خطاب کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۳)

''پس تم اس کی مانند کوئی ایک ہی سورت لے آؤ۔''

(۲) ﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ﴾ (الطور:۳۴)

''پس انہیں چاہیے کہ اس جیسا کلام لے آئیں۔''

(۳) ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ﴾ (ھود:۱۳)

''آپ کہہ دیں تم اس جیسی دس سورتیں لے آؤ۔''

(۴) ﴿فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ﴾ (آل عمران:۱۶۸)

''پس دُور کرو اپنی جانوں سے موت کو۔''

㉚ خطاب تحسیر اور تہلف

اس سے مراد حسرت آمیز خطاب ہے:

(۱) ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾ (آل عمران:۱۱۹)

''کہہ دیجیے تم اپنے غیظ و غضب میں مر جاؤ۔''

㉛ خطاب تکذیب

کسی کو جھوٹا قرار دینا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (آل عمران)

''کہہ دیجیے تم لے آؤ تورات کو پس اس کی تلاوت کرو اگر تم سچے ہو۔''

㉜ خطاب تشریف

ہر وہ شخص جس کو قرآن حکیم میں ''قُل'' سے خطاب کیا گیا ہے' اس نوع کے تحت داخل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اٰمَنَّا﴾ (آل عمران:٨٤)

''کہہ دیجیے ہم ایمان لائے۔''

یہ خطاب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اس اُمت کے لیے باعث شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت سے بغیر کسی واسطے کے خطاب کیا۔ کیونکہ اگر اللہ کے رسول ﷺ مرسل الیہ کے لیے کہیں کہ مجھے مرسل نے یہ کہا ہے تو یہ فصیح کلام نہ ہوگا۔

⑭ خطاب معدوم

یہ خطاب موجود کا اعتبار کرتے ہوئے تبعاً صحیح ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ﴾ (الاعراف:٢٦)

''اے بنی آدم!''

یہ خطاب اس زمانے کے لوگوں کے لیے بھی ہے اور ان کے بعد آنے والے ہر فرد کے لیے بھی' اور اس کی مثال اس وصیت کی سی ہے جو کہ انسان اپنی اولاد اور پھر آگے ان کی ہونے والی اولاد' پھر اس سے آگے چلنے والی نسل کے بارے میں کر جاتا ہے۔

علامہ رمّانی اپنی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں معدوم کو خطاب کرنا جائز ہے' کیونکہ خطاب مخاطب کا ارادہ کرتے ہوئے ہوتا ہے تاکہ اس کے غیر کو جدا کیا جا سکے۔

﴿کُنْ فَیَکُوْنُ﴾ (النحل:٤٥)

''ہو جا' پس وہ ہو جاتا ہے۔''

اشاعرہ کے ہاں عالم کا وجود خطابِ ''کُن'' سے حاصل ہوا۔ احناف کے ہاں تکوین ازلی ہے جو کہ قائم بالذات ہے۔ وہ یہ ہے کہ عالم کے ہر ہر جزو کی تکوین اس کے وجود کے وقت ہوئی تھی نہ کہ جب ''کاف ونون'' وجود میں آیا۔

فخر الاسلام امام سرخسی کی رائے یہ ہے کہ خطاب ''کُن'' ہر چیز کی ایجاد کے وقت ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک کسی شے کی ایجاد کے لیے دو چیزیں ہیں' ایک ایجاد اور دوسرا خطاب ''کُن''۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قرآن پاک کا موضوع

تحریر: ڈاکٹر محمود احمد غازی ☆

دنیا کی ہر کتاب کا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہوتا ہے۔ کوئی کتاب معاشیات کی کتاب کہلاتی ہے' کوئی سائنس کی' کوئی تاریخ یا جغرافیہ کی۔ اس عام بات سے قرآن مجید جیسی اہم ترین کتاب کیوں کر مستثنیٰ ہوسکتی ہے! لہٰذا بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک کا موضوع کیا ہے؟ یہ کس موضوع کی کتاب ہے؟ کیا یہ فلسفے کی کتاب ہے؟ کیا آپ قرآن کو فلسفے کی کتاب قرار دیتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں فلسفے کے بہت سے مسائل زیر بحث آئے ہیں' لیکن اس کے باوجود یہ فلسفے کی کتاب نہیں ہے۔ کیا پھر قرآن پاک معاشیات کی کتاب ہے؟ اس میں بہت سے بنیادی معاشی مسائل کا حل بتایا گیا ہے کہ دولت کی تقسیم کیوں کر ہو' دولت کمائی کیسے جائے' تقسیم دولت کے بارے میں ریاست کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اِن مباحث کے باوجود ماہرین معاشیات کی نظر میں قرآن پاک بہرحال معاشیات کی کتاب نہیں ہے۔ کم از کم اس انداز کی معاشیات کی کتاب نہیں ہے جس انداز کی معاشیات کی کتابیں عام طور پر ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ قانون کی کتاب بھی نہیں ہے' نہ قانون کا کوئی طالب علم فنی مفہوم میں اس کو قانون کی کتاب قرار دیتا ہے' اس لیے کہ اس میں نہ قانونی اصطلاحات ہیں اور نہ قانون وفقہ کی فنی زبان اس میں استعمال کی گئی ہے۔ اگرچہ اس میں قانون کے بہت سے پیچیدہ مسائل حل کیے گئے ہیں۔

درحقیقت غور کیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ قرآن پاک اِن علوم وفنون میں سے فنی طور پر کسی علم کی کتاب نہیں ہے۔ اس کو نہ ہم قانون کی کتاب کہہ سکتے ہیں' نہ معاشیات کی' نہ فلسفے کی' نہ تاریخ کی اور نہ نفسیات کی' اگرچہ ان تمام علوم کے بنیادی مسائل کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ ہاں' اس کو ہم کتاب ہدایت کہہ سکتے ہیں' جو اِن موضوعات پر پائی جانے والی ساری کتابوں کے لیے رہنما اور کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ مندرجہ بالا اور دیگر

☆ نائب صدر اکیڈمکس' بین الاقوامی یونیورسٹی' اسلام آباد

بہت سے موضوعات پر لکھی جانے والی ہر وہ کتاب جو اِس کتاب ہدایت کے مطابق ہے وہ سچی کتاب ہے' اور ہر وہ کتاب جو قرآن پاک سے متعارض ہے وہ جھوٹی کتاب ہے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی برقرار رہتا ہے کہ اس کتاب ہدایت کا اپنا موضوع کیا ہے؟

قرآن کا مخاطب: انسان

اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے جب ہم قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کا اپنا موضوع ہے: ''اس دنیاوی زندگی میں انسان کا کردار اور انسان کی آخری اور اُخروی منزلِ مقصود''۔ یہ چیز قرآن پاک کا بنیادی مضمون ہے' یعنی اس بات کی وضاحت وتشریح کہ اس زندگی میں انسان کی ذمہ داری اور بالآخر اس کی وہ منزلِ مقصود جہاں اس کو جانا ہے' وہ کیا ہے اور وہاں کیسے پہنچا جائے؟ قرآن پاک شروع سے لے کر آخر تک بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی ایک موضوع سے بحث کرتا ہے کہ انسان کیا ہے؟ کہاں سے' کیوں اور کیسے آیا ہے؟ اور بالآخر اسے کہاں جانا ہے؟ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اسے کیا کرنا چاہیے؟

اس ایک سوال کا جو بہت سے سوالوں کا مجموعہ ہے' جواب دینے کے لیے قرآن پاک زندگی کے تمام مسائل سے بحث کرتا ہے۔ اس بنیادی سوال کا جواب دینے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی عائلی زندگی' خاندانی زندگی' اس کی معاشرتی زندگی' اس کی معاشی زندگی' اس کے معاملات' اس کا کاروبار' اس کی سیاسی زندگی' غرض اس کی زندگی کے ہر پہلو سے بحث کی جائے' اور یہ بتایا جائے کہ وہ خاندان' معیشت' معاشرہ اور حکومت کا کاروبار کس طرح چلائے؟ ان پہلوؤں میں پیش آنے والے تمام سوالات سے بحث کی جائے۔ جنگ کے حالات ہوں تو اس کا رویہ کیسا ہو' امن کے دوران کیا ہو؟ غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو پر غور کرنے اور اس پر گفتگو کرنے کی ضرورت اس میں پیش آئے گی۔ اس لیے یہ سارے مسائل جن کی ضرورت اس بنیادی سوال کا جواب دینے کے لیے پڑتی ہے' ان سب سے قرآن پاک میں بحث کی گئی ہے۔

لہٰذا قرآن مجید میں انسانی زندگی سے بحث کرنے والے تمام علوم وفنون کی بنیادیں موجود ہیں۔ اس کتاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ انسان کسی طرح کامیاب طریقے سے منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ اس لیے اس اصل ہدف کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق اس کتاب میں سائنس کی معلومات بھی ملتی ہیں' معاشیات اور دوسرے بہت سے علوم کی تعلیم سے

متعلق سوالات جن کی راہ میں ضرورت پیش آئے گی' ان سب کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ لیکن اس کتاب کے اسلوب میں اور دوسرے تمام علوم وفنون کے انداز میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مثلاً آپ کہہ سکتے ہیں کہ سائنس بھی اِن سوالوں کا جواب دے سکتی ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلسفہ بھی ان سوالوں کا جواب دے سکتا ہے کہ انسان کہاں سے آیا؟ کیوں آیا؟ اور اس کو بالآخر کہاں جانا ہے؟ اور قرآن پاک بھی ان سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ ذرا غور سے دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن پاک کے جواب میں اور باقی تمام فلسفوں اور نظاموں کی طرف سے دیے جانے والے جوابوں میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ دوسرے نظاموں اور فلسفوں میں توجہ کا مرکز انسان کا ماضی' یعنی اس کا آغاز ہے۔ وہاں بیشتر بحث اس بات پر ہوتی ہے کہ انسان کہاں سے آیا اور کیسے آیا؟ یا زیادہ سے زیادہ یہ بحث ملتی ہے کہ اب یہاں اس کو کیا کرنا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ انسان کے بارے میں سائنس کی نوّے فی صد بحثیں یہی ہیں کہ انسان آیا کہاں سے ہے؟ کوئی بندر پر تحقیق کر رہا ہے' کوئی بن مانس پر تحقیق کر رہا ہے' غرض آغاز کے متعلق لوگ ہزاروں سال سے بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے سائنس کو بہت کم بحث ہوتی ہے کہ یہاں انسان کو کیا کرنا چاہیے؟ اور اس سے تو شاذ و نادر ہی کسی کو بحث ہوتی ہے کہ انسان کو بالآخر کہاں جانا ہے؟ اور جہاں جانا ہے وہاں کامیابی کیسے حاصل کی جائے؟ اس اصل سوال سے ان میں سے کسی کو بحث نہیں ہوتی' نہ سائنس کو' نہ سماجیات کو اور نہ بشریات کو۔ آپ غور کریں کہ آخر یہ چیز ہمارے لیے کیا عملی افادیت رکھتی ہے کہ انسان کہاں سے اور کیسے آیا؟ قرآن نے بھی اس سوال کا جواب دیا ہے لیکن اس کو بنیادی مسئلہ نہیں بنایا۔ ایک واضح اور سادہ جواب دینے پر اکتفا کیا ہے اور تفصیلات کو غیر ضروری قرار دے کر چھوڑ دیا ہے' لیکن زیادہ توجہ اس پر دی ہے کہ اب انسان کو یہاں کیا کرنا چاہیے' اسے اب آگے کہاں جانا ہے اور سفر کو کیسے مکمل کرنا ہے۔

یہ ایک واضح بات ہے کہ ہم میں سے کسی کا آغاز بھی اس کے اپنے قبضے میں نہیں ہے۔ جب ہم اِس دنیا میں آتے ہیں تو اپنی مرضی سے نہیں آتے' ہم میں سے کوئی بھی اپنے آزادانہ فیصلے یا مرضی اور اختیار سے اس دنیا میں نہیں آیا۔ کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا کہ میاں! تمہیں اس دنیا میں بھیجوں یا نہ بھیجوں' نہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا' نہ میرے ماں باپ نے پوچھا۔ مجھے تو اِس دنیا میں آنے کا شعور بھی پیدائش کے کئی سال بعد ہوا۔ آنے کے بعد بھی اب اگر کوئی انسان چاہے کہ وہ اس دنیا میں آنے یا نہ آنے کا خود فیصلہ کر لے تو یہ بھی اس کے

اختیار میں نہیں ہے۔ لہٰذا جو چیز ہمارے اختیار میں نہیں ہے ہم اس کے آغاز کے متعلق بہت سی تفصیلات جان کر بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے' اس لیے کہ آئندہ بھی لوگ اس دنیا میں آتے رہیں گے اور وہ بھی اسی بے اختیاری سے ہی آئیں گے۔ اس لیے انسان کے آغاز پر بہت زیادہ غور و فکر کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ توجہ وہاں دینی چاہیے جو ہمارے اختیار میں ہو۔ آئندہ کامیابی کی منزل کا حصول میرے اختیار میں بھی ہے اور آپ کے اختیار میں بھی۔ اگر میں کامیابی سے اپنی منزل پر پہنچنا چاہوں تو اللہ نے مجھے اس کے لیے وسائل دیے ہیں اور میں ایسا کر سکتا ہوں۔ مجھے اختیار بھی دیا ہے' اسباب بھی پیدا کیے ہیں اور حالات بھی فراہم کیے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے اس چیز پر زور دیا جو ہمارے اختیار میں ہے' ہم اس کو بنا بھی سکتے ہیں اور برباد بھی کر سکتے ہیں۔ سنوار بھی سکتے ہیں اور بگاڑ بھی سکتے ہیں۔ یہ ہے فرق قرآن پاک اور باقی کتابوں میں۔ قرآن پاک بات کرتا ہے مستقبل کی' جسے انگریزی میں کہتے ہیں کہ قرآن پاک کا اسلوب Future Oriented ہے' یعنی نظریہ مستقبل۔ باقی علوم و فنون کا اسلوب Past Oriented ہے' یعنی نظریہ ماضی۔ صرف ماضی میں جھانکتے رہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر مستقبل سے نظر ہٹ جائے جو آپ کے بس میں ہے اور اس کا بنانا اور بگاڑنا دونوں آپ کے اختیار میں ہیں تو زندگی کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ اس مضمون کو اقبال نے بہت عمدہ اسلوب اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے!
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے!

گویا ابتدا کی ایک حد سے زیادہ فکر کرنا غیر ضروری ہے' فکر انجام کی کرنی چاہیے۔ قرآن پاک میں بھی آپ کو جا بجا ملے گا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (الاعراف) ''اور آخری کامیابی انہی کے لیے ہے جو اُس سے ڈرتے ہوئے کام کریں''۔ جس کا ہدف یہی سبق دینا ہے کہ اصل مقصود مسلمان کی آخرت کی زندگی ہے' اسی کو منزلِ مقصود سمجھنا چاہیے۔

پانچ بنیادی موضوعات

چنانچہ قرآن نے اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لیے جو مباحث اختیار کیے ہیں اُن کو ہم پانچ بنیادی موضوعات یا عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ یہ عنوانات قرآن پاک

میں ہر جگہ بکھرے ہوئے ہیں اور حسب ضرورت و موقع اجمال اور تفصیل دونوں کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ قرآن پاک کی ہر منزل میں' ہر سورۃ میں حتیٰ کہ بیشتر آیات میں یہ پانچ موضوعات براہِ راست یا بالواسطہ نظر آئیں گے۔ یہ موضوعات اس ایک سوال کے پانچ مختلف پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ چھوٹے چھوٹے مباحث بھی ہیں جو ان ہی پانچ مباحث کے نتیجے کے طور پر قرآن پاک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

وہ پانچ بنیادی مباحث یہ ہیں:

عقائد

سب سے پہلا بنیادی مبحث جو قرآن پاک میں سورۂ فاتحہ سے وَالنَّاس تک ملتا ہے' وہ عقائد کا مضمون ہے۔ یہ مضمون قرآن پاک میں ہر جگہ موجود ہے' کہیں کھلا ہوا بیان ہوا ہے اور کہیں چھپا ہوا دوسرے مضامین کے سیاق میں ملتا ہے۔ اس دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اس کائنات کو کس نے بنایا ہے؟ یہاں انسان کو کیا کرنا ہے' کیوں کرنا ہے؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کا جواب زندگی کے کسی بھی نظام کی تشکیل کے لیے ضروری ہے۔ ان ہی سوالات کے جوابات سے اسلام کے تصورِ کائنات کی بنیادیں سامنے آتی ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جسے عقائد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن پاک نے عقائد کے ضمن میں ان تمام بنیادی سوالات کا جواب دے دیا ہے جن کی ضرورت روز مرہ زندگی کے مسائل کے حل میں پڑتی ہے۔ عقیدے سے متعلق کوئی بنیادی سوال ایسا نہیں ہے جس کا جواب قرآن پاک میں نہ دے دیا گیا ہو۔ بے شمار غلط فہمیاں جو عقائد کے بارے میں انسان کے دماغ میں آسکتی ہیں' ان کا جواب بھی دیا ہے۔ مختلف اسلام دشمن عناصر' مشرکین و کفار' جو اعتراضات کرتے رہے ہیں' آج کرتے ہیں یا آئندہ کرتے رہیں گے' ان کا جواب بھی اِن مباحث میں موجود ہے۔

لیکن عقائد کے متعلق جو مواد قرآن پاک میں بیان ہوا ہے' اوّل سے لے کر آخر تک اگر آپ اس کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ سب تین بنیادی مسائل کے جوابات ہیں جو عقیدے کے باب میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

سب سے بڑا بنیادی مسئلہ توحید ہے کہ اللہ ایک ہے' وہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ ہر سلیم الطبع انسان ذرا سا غور کرے تو وہ جلد ہی توحید پر ایمان

لے آتا ہے۔ جب بھی کوئی صاحبِ عقل اور صاحبِ علم انسان تھوڑا سا غور کر کے یہ دیکھتا ہے ہے کہ یہاں دنیا میں کیا نظام چل رہا ہے؟ کیسے یہ کائنات کام کر رہی ہے؟ تو وہ خود بخود اللہ ربّ العزت کی ذات تک پہنچ جاتا ہے اور اس کو یہ تسلیم کر لینے اور اس بات کا اعتراف کر لینے میں کوئی تأمل نہیں ہوتا کہ اس کائنات کا ایک بنانے والا ہے۔ اس کو یہ مان لینے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ اس کائنات کا نظام کسی خودکار طریقے سے نہیں چل رہا بلکہ کسی چلانے والے کے حکم اور مشیت کے تحت ہی چل رہا ہے۔ جب وہ یہ سب کچھ مان لیتا ہے تو پھر اس کو جلد ہی یہ احساس بھی ہو جاتا ہے کہ عقیدۂ توحید کے منطقی نتیجے کے طور پر اسے آخرت پر ایمان لانا چاہیے۔ اس لیے کہ جب ایک بار اللہ کے بارے میں یہ مان لیا کہ وہ قادرِ مطلق ہے تو یہ بھی ماننا چاہیے کہ وہ سمیع و بصیر ہے۔ پھر اس کو دانا بھی ہونا چاہیے' حکیم بھی ہونا چاہیے' پھر اس کے دیے ہوئے نظام میں توازن اور اعتدال بھی ہونا چاہیے۔ خود سائنس دان کائنات میں موجود اس عظیم الشان اور بے مثال توازن کو تسلیم کر چکے ہیں۔ انہوں نے اس توازن کی بڑی بڑی ایمان افروز مثالیں دریافت کی ہیں' مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر زمین اور سورج کا فاصلہ چند فٹ بھی کم و بیش ہو جائے تو ساری کائنات درہم برہم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی قوت ضرور ہے جو توازن اور اعتدال سے اس نظام کو چلا رہی ہے' جس نے اس کائنات کو سنبھالا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر انسان اس کائنات کے نظام پر غور کرے تو خود بخود اللہ کی ان تمام صفات تک پہنچ جائے گا جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

جب وہ یہ سب مان لے تو پھر اُس کو یہ بھی ماننا چاہیے کہ جس خالق نے یہ کائنات پیدا کی ہے اُس نے بغیر کسی مقصد کے اس کو پیدا نہیں کیا۔ اس کے پیچھے کوئی مقصد کارفرما ہونا چاہیے۔ مجھے اپنے بچپن کا واقعہ اچھی طرح یاد ہے۔ جب میں نے پہلی مرتبہ قرآن کی یہ آیت اور اس کا ترجمہ پڑھا کہ: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء) یعنی ہم نے زمین و آسمان کو کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا' تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کون کہتا ہے کہ آپ نے کھیل کود کے لیے پیدا کیا ہے۔ مدتوں میرے ذہن میں یہ سوال آتا رہا کہ اتنی واضح بات کو کہنے کی کیا ضرورت تھی اور سوچتا رہا کہ ایسا کیوں فرمایا گیا۔ بعد میں جب میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا تو میں نے ہندوازم میں پڑھا' ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے یہ کائنات کھیل اور تفریح کی غرض سے پیدا کی ہے۔ یہ سارا سنسار ''رام کی لیلا'' ہے۔ لیلا کے معنی کھیل کے ہیں اور یہ پوری کائنات رام کا کھیل ہے۔ اس کے بنانے کی

کیفیت وہی ہے جو بچوں کی طرف سے ریت کا گھروندہ بنانے کی ہوتی ہے۔ وہ محض تفنن طبع کے لیے ریت کے گھروندے بناتے ہیں اور جب دل بھر جاتا ہے تو اسے توڑ کر چلے جاتے ہیں' پھر کسی اور کھیل میں لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ رام تفریح طبع کی خاطر طرح طرح کی دنیائیں بناتا ہے اور جب دل بھر جاتا ہے تو ان کو تباہ کر کے پھر نئی دنیا بنانے کی طرف چل پڑتا ہے۔ اس نے موجودہ دنیا بھی کھیل اور تفریح کے لیے بنائی ہے' جس دن اس سے اُس کا دل بھر جائے گا وہ اس کو تباہ کر دے گا' پھر کچھ اور بنائے گا۔ جب میں نے ہندومت میں یہ بات پڑھی اس وقت مجھے پتہ چلا کہ قرآن کی اس آیت میں یہ بات کیوں بیان کی گئی۔ اس سے قرآن پاک پر میرا ایمان و ایقان غیر معمولی طور پر بڑھا' کیونکہ حضور ﷺ جہاں تشریف فرما تھے وہاں کسی کو علم نہیں تھا کہ ہندو نام کی کوئی قوم بھی دنیا میں پائی جاتی ہے یا ہندو قوم کے عقائد کیا ہیں اور وہ کہاں آباد ہے۔ گویا مسلمانوں کو ایک آئندہ آنے والے مسئلے کے متعلق پہلے سے بتا دیا گیا کہ یہ کائنات کسی کھیل یا تفریح کے نتیجے میں نہیں بنائی گئی' بلکہ بِالْحَقِّ یعنی ایک واضح اور دوٹوک مقصد کے ساتھ بنائی گئی ہے۔

اسی طرح قرآن میں ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو سات دنوں میں بنایا اور وہ ان کو بنا کر تھکا نہیں۔ ایک جگہ آتا ہے کہ ہم پر کوئی تھکاوٹ یا نیند طاری نہیں ہوئی۔ مجھے پھر خیال آیا کہ کون یہ سوچتا ہوگا! اللہ تو قادرِ مطلق ہے' اس پر تھکن کے آثار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب میں نے بائبل پڑھی تو دیکھا کہ اس کے شروع ہی میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ نے چھ دن میں زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن تھک کر آرام کیا۔ اس کو یہودی یوم السبت کہتے ہیں۔ اس دن چھٹی کرتے ہیں اور آرام کرتے ہیں۔ یہ پڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ قرآن میں یہ آیت کس غلطی کے ازالے کے لیے نازل کی گئی۔

دوسری اہم حقیقت جو قرآن پاک نے جا بجا بیان کی ہے' وہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان جب صحیح رستے سے بھٹکتا ہے تو اس کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ انسان کو صحیح عقیدہ معلوم نہیں ہوتا' دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ صحیح عقیدہ معلوم تو ہوتا ہے لیکن وہ اپنے بارے میں یا تو احساس برتری کا شکار ہو جاتا ہے یا احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کا یہ مزاج ہے کہ وہ پوری کائنات کو اپنے ہی حوالے سے دیکھتا ہے۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے لڑتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہ برا ہے' اور اگر مجھ سے اچھا

برتاؤ کرتا ہے تو میں کہوں گا کہ وہ اچھا ہے۔ جب انسان اپنے بارے میں احساسِ برتری کا شکار ہوتا ہے تو اپنے کو بڑھاتے بڑھاتے خدا مان لیتا ہے اور خود کو دوسرے انسانوں کا مالک ومختار سمجھنے لگتا ہے۔ جب وہ احساسِ کمتری کا شکار ہوتا ہے تو اس سے گمراہی کی دوسری بہت سی شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ جب انسان اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھتا ہے تو پھر وہ گائے' بندر اور سانپوں تک کو دیوتا مان لیتا ہے۔ اگر انسان بڑے سے بڑا مقام چاہتا ہے تو وہ عبدیت کا ہی مقام ہے۔ اس مقام سے بڑا مقام اللہ نے کسی کے لیے نہیں رکھا۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰) ''ہم نے بنی آدم کو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔''

دوسری طرف جب انسان خود کو حقیر اور ذلیل سمجھنا شروع کرتا ہے تو وہ اَسفل السافلین تک جا پہنچتا ہے۔ گویا انسان کی پوزیشن اور حیثیت میں توازن رکھا گیا۔ اللہ ربّ العزت کے بعد سب سے بڑا درجہ انسان اور تمام مخلوقات سے اونچی حیثیت انسان کی قرار دی گئی۔ لہٰذا یہ تعلیم دی گئی کہ نہ اتنے بڑے بنو کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھو یا خدائی معاملات میں دخل اندازی شروع کر دو اور نہ اتنے چھوٹے بنو کہ اپنی کوئی حیثیت نہ سمجھو' بلکہ تم خدا کے جانشین اور خلیفہ کے اعزاز کے مستحق قرار دیے گئے ہو۔

خلیفہ کے لفظ کے متعلق ایک غلط فہمی بھی دُور کرنا ضروری ہے۔ خلافت اور جانشینی کے لفظ سے ایک الجھن پیدا ہوتی ہے۔ عام طور سے جب ایک صدر مر جاتا ہے تو دوسرا اس کے جانشین کے طور پر آ جاتا ہے۔ کوئی پیر دنیا سے رخصت ہو جائے تو دوسرا بزرگ بطور جانشین آ جاتا ہے۔ لیکن اللہ تو حی و قیوم ہے' اس کا جانشین کیسے ہو سکتا ہے؟ اس غلط فہمی یا اشکال کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ جانشینی کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جانشینی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک جانشینی ہوتی ہے اس کے غائب ہونے کی صورت میں جس نے جانشین بنایا ہے۔ ایک جانشینی ہوتی ہے تشریفاً للمستخلف کہ جس کو خلیفہ یا جانشین بنایا ہے اس کی عزت افزائی مقصود ہوتی ہے' اس کا احترام کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی مسجد میں ایک امام صاحب ایک مہمان بزرگ کی عزت افزائی کے لیے ان سے کہتے ہیں کہ آپ نماز پڑھا دیں' یا مثلاً آپ کسی تقریب یا جلسے کی صدارت کر رہے تھے' آپ نے دیکھا کہ حاضرین میں کوئی صاحب بڑے معزز بیٹھے ہوئے ہیں' آپ نے ان کو کرسیٔ صدارت پیش کر دی۔ اس طرح کی جانشینی دینا گویا عزت کے لیے ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی صدرِ مملکت کسی شخص کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لے تو اس کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ باقی لوگ بھی اس کی اسی طرح عزت کریں۔ لہٰذا یہ ایک عزت دینے کا طریقہ ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ نے انسان کو اور تمام بنی آدم کو عزت دی ہے اس لیے اس کو خلیفہ فی الارض کا خطاب دیا ہے۔

یہ وہ سوالات ہیں جو قرآن پاک نے عقائد کے بارے میں جابجا بیان کیے ہیں۔

احکام

قرآن پاک کا دوسرا اہم مبحث احکام ہے۔ قرآن مجید جو نسخۂ کیمیا لے کر آیا ہے اس کا سب سے بڑا مقصد انسان کو دنیاوی زندگی میں کامیابی کے ساتھ ساتھ اُخروی زندگی میں بھی کامیاب و کامران بنانا ہے۔ دنیاوی کامیابی کے لیے قرآن مجید میں عموماً ''صلاح'' کی اور اخروی زندگی میں کامیابی کے لیے ''فلاح'' کی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ اس صلاح اور فلاح کے لیے ضروری ہے کہ انسانی زندگی کسی قاعدے اور ضابطے کے تحت منظم ہو۔ قرآن مجید نے جو تفصیلی ضابطۂ زندگی عطا فرمایا ہے وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو منظم کرتا ہے۔ انسان اپنی روزمرہ زندگی میں جو کچھ کرتا ہے اس کو صحیح خطوط پر منظم اور استوار کرنے کے لیے قرآن پاک میں ضروری اور بنیادی احکام دیے گئے ہیں۔ انسان اپنی ذاتی' خاندانی' معاشرتی' اقتصادی' اجتماعی' سیاسی اور بین الاقوامی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے اس کو مفید' نتیجہ خیز اور بہتر بنانے کے لیے قرآن پاک نے جابجا ہدایات دی ہیں۔ قرآن پاک کی ان آیات کا جن میں اس طرح کے احکام بیان کیے گئے ہیں' جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ کتابِ الٰہی نے انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس کے بارے میں ہدایات نہ دی ہوں۔

قرآن پاک کے یہ احکام معاشرتی ہدایات اور اجتماعی رہنمائی پر بھی مشتمل ہیں اور قانونی اصول وضوابط پر بھی۔ اوّل الذکر پر عمل درآمد کا ذمہ دار خود انسان کا ضمیر اور قوت محرکہ اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس ہے۔ مزید برآں معاشرتی دباؤ بھی انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان ہدایات پر کاربند رہے۔ ثانی الذکر احکام کی نوعیت قانونی ضوابط کی ہے جن پر عمل درآمد جہاں فرد کی ذمہ داری ہے وہاں کچھ حدود کے اندر ریاست کی ذمہ داری بھی ہے۔

قرآن مجید کی یہ آیات جن کو آیاتِ احکام کہا جاتا ہے' اکثر و بیشتر عمومی ہدایات پر مشتمل

ہیں۔ قرآن مجید نے تفصیلات کا تعرض نہیں کیا' اس لیے کہ تفصیلات کا تعلق حالات اور زمانے کے تقاضوں سے ہوتا ہے۔ یہ اُمت کے اہل علم و دانش اور فقہائے اسلام کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ اجتہاد اور اجماع کے اصولوں سے کام لے کر قرآن مجید کی عمومی ہدایات' بنیادی احکام اور اصولوں کو سامنے رکھ کر اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اور سنت رسول ﷺ کی بیان کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حالات و زمانے کے مطابق تفصیلات طے کریں۔

قرآن مجید کی آیاتِ احکام کی تعداد نسبتاً قلیل ہے۔ قرآن مجید کی کل ۶ ہزار سے زائد آیات میں سے ۳۰۰ کے لگ بھگ آیات ایسی ہیں جن کو آیاتِ احکام کہا جاتا ہے۔ یہ ۳۰۰ آیات وہ ہیں جن میں براہِ راست فقہی احکام اور قانونی اصول بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور آیات سے بھی بعض اہل علم نے بالواسطہ احکام کا استنباط کیا ہے۔ یہ آیات جن سے بالواسطہ احکام کا استنباط ہوا ہے' ۲۰۰ کے قریب ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساری آیاتِ احکام مجموعی طور پر ۵۰۰ سے زائد نہیں ہیں۔ یہ تعداد قرآن مجید کی کُل آیات کے ۱۳ویں حصے کے قریب قریب ہے۔

پھر آیاتِ احکام میں بھی زیادہ زور جن دو پہلوؤں پر دیا گیا ہے وہ عبادات اور خاندانی زندگی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آیاتِ احکام کی ایک تہائی تعداد عبادات کے بارے میں ہے اور ایک تہائی خاندانی زندگی کے بارے میں ہے۔ بقیہ ایک تہائی کا تعلق زندگی کے بقیہ پہلوؤں سے ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے خاندانی زندگی کے تحفظ کو کتنی اہمیت دی ہے۔ قرآن میں ہر ایسی کوشش کو جس کا مقصد خاندان میں افتراق پیدا کرنا ہو' شیطان کا سحر کاری قرار دیا ہے اور اس کو ایک کافرانہ عمل ٹھہرایا ہے۔

قرآن مجید اگرچہ کلیات کی کتاب ہے اور اس میں عمومی احکام اور کلی ہدایات دی گئی ہیں' لیکن اس کا اسلوب کسی قانون' اصولِ قانون یا آئین و دستور کی فنی کتاب کا سا نہیں ہے۔ اس کتاب میں عمومی قانونی ہدایات و کلیات کو جزوی مثالوں اور واقعات کے پردے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے قارئین کی علمی' فکری اور ذہنی سطحیں بے شمار ہیں۔ اس لیے اس کا اسلوب ایسا ہے کہ اس کو ہر شخص اپنی سطح اور فہم کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ قرآن مجید کے کلیات اور عمومی اصولوں کو حقائق زندگی کے پس منظر میں برتنے کا ڈھنگ سیرت اور سنت رسولؐ سے معلوم ہوتا ہے۔ سنت قرآن مجید کی تشریح بھی کرتی ہے' تفصیل بھی بیان کرتی ہے اور مجملاتِ قرآن کی تبیین بھی کرتی ہے۔ اگرچہ سنت رسولؐ براہِ

راست مستقل بالذات احکام بھی دے سکتی ہے' تاہم بعض بالغ نظر اہل علم کا کہنا ہے کہ سنت کے دیے ہوئے ہر حکم کی کوئی نہ کوئی اساس قرآن پاک میں موجود ہوتی ہے اور غور کرنے سے سامنے آجاتی ہے۔

اخلاقیات

تیسرا اہم مبحث اخلاق ہے جس کا تعلق انسان کے قلبی احساسات اور تأثرات سے ہے۔ انسان بعض چیزوں کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے' جب کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن سے اس کو شدید نفرت ہوتی ہے۔ یہ پسندیدگی' ناپسندیدگی اور نفرت انسان کے قلبی احساسات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ یہ احساسات بعض اوقات اچھے ہوتے ہیں اور بعض اوقات خراب۔ انسان کے احساسات اچھے ہوں تو ہر چیز اس کو اچھی نظر آتی ہے۔ احساسات خراب ہوں تو انسان مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور ہر چیز بگڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو روز اسی کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اگر آپ خوش ہیں اور قلبی اور ذہنی کیفیت کے اعتبار سے انبساط کی حالت میں ہیں تو آپ کو ہر چیز اچھی نظر آئے گی' اور اگر خدانخواستہ کوئی شخص آپ کو کوئی بری خبر سنا دے تو آپ کو سارا ماحول پژمردہ نظر آنے لگتا ہے۔ گویا انسان کا دل اس کی جذباتی زندگی میں ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ جب تک اس کے قلبی احساسات ٹھیک رہتے ہیں تو اس کو ساری کائنات ٹھیک لگتی ہے اور اگر قلبی احساسات بگڑ جائیں تو ساری کائنات بگڑی ہوئی لگتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کائنات اپنی جگہ رہتی ہے' وہ جیسی پہلے تھی ویسی ہی آج بھی ہے۔ نہ وہ خوش ہوتی ہے اور نہ ناخوش' نہ وہ مسرت سے مچلتی ہے اور نہ کسی وجہ سے غم ناک ہوتی ہے۔ یہ محض انسان کا دل ہے جو انسان کو کچھ کا کچھ دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''دیکھو! انسان کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے' جب تک وہ ٹھیک رہتا ہے سارا جسم ٹھیک رہتا ہے' جوں ہی وہ بگڑتا ہے سارا جسم بگڑ جاتا ہے' اور یاد رکھو وہ لوتھڑا انسان کا دل ہے۔''

یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محض کسی طبی اور جسمانی مفہوم میں ارشاد نہیں فرمائی' اگرچہ اس مفہوم میں بھی یہ بات بالکل درست ہے۔ درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی اخلاقی اور روحانی مفہوم میں ہے۔ آپ ﷺ کا اشارہ انسان کے جذبات وعواطف اور احساس وکردار کی طرف ہے۔ انسان جذباتی طور پر متوازن رہے' اُس کی پوری زندگی توازن کا نمونہ بنی رہتی ہے' اور اگر کسی وجہ سے انسان جذباتی عدم توازن

کا شکار ہو جائے تو پوری زندگی غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ ایک کامیاب اور متوازن زندگی گزارنے کے لیے انسان کے قلبی احساسات کی درستی اور جذباتی توازن انتہائی اہمیت کی حامل چیز ہے۔

قرآن مجید نے جا بجا ایسی ہدایات دی ہیں جو انسان کے احساسات کو متوازن اور جذبات کو معتدل رکھتی ہیں۔ انسان جذباتی تناؤ کا شکار جن اسباب سے ہوتا ہے ان میں سے ایک ایک کا قرآن پاک میں علاج کیا گیا ہے۔ بعض اوقات مال و دولت کی فراوانی' اقتدار و اختیار' حسن و جمال' طاقت و قوت اور ایسی ہی دوسری مادی نعمتیں انسان کا توازن بگاڑ دیتی ہیں۔ قرآن مجید نے جا بجا یہ یاد دلایا کہ یہ چیزیں جہاں خالق کائنات کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہیں وہاں یہ ایک آزمائش کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ اگر ایک صاحب ایمان ان میں سے ہر نعمت کے ملنے پر شکر کا رویہ اختیار کرے تو وہ بہکنے سے محفوظ رہتا ہے۔ شکر کا رویہ نہ ہو تو ان نعمتوں کا نشہ انسان کو بہکا دیتا ہے اور وہ توازن کی راہِ راست سے بھٹک کر عدم توازن کی سنگلاخ پگڈنڈیوں پر نکل جاتا ہے اور پھر جتنا وہ اس راستے پر بڑھتا چلا جاتا ہے اس کے عدم توازن میں اضافہ اور زندگی کی ناکامیوں میں زیادتی ہوتی جاتی ہے۔

اسی طرح اگر آزمائش کی گھڑیوں میں انسان ہمت ہار جائے اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو بھی وہ بہت جلد عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسانی مزاج کی اس اہمیت کے پیشِ نظر قرآن مجید نے اپنی تعلیم کا ایک اہم حصہ اس پہلو کو بہتر اور منظم بنانے کے لیے خاص کیا ہے۔ قرآن پاک کی یہ تعلیم جس کے لیے تزکیہ اور احسان کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں' انسان کے جذبات و احساسات کو متوازن اور منضبط رکھنے میں مدد دیتی ہے۔

تقدیر پر ایمان محض ایک کلامی مسئلہ نہیں ہے' بلکہ یہ عقیدہ انسان کو ہر نازک اور بحرانی لمحے میں زیورِ اعتدال و توازن سے آراستہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا اہل ایمان کو یہی درس دیا گیا ہے کہ زندگی میں آنے والی ہر قسم کی خوشی اور غمی' سختی اور نرمی' اچھائی اور برائی' بیماری اور صحت' کامیابی اور ناکامی' فتح اور شکست' غرض سب کچھ اللہ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ حتی المقدور جائز اسباب و وسائل اختیار کرے اور نتیجے کو اللہ کی ذات پر چھوڑ کر اس کے فیصلے پر راضی رہے۔

تقدیر پر ایمان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان ہمہ وقت ایک احساسِ

حضوری کے ساتھ زندگی گزارے اور ہر لمحے یہ شعور دل میں بیدار رکھے کہ وہ خالق کائنات کی مسلسل نگرانی میں ہے۔ نگرانی کا یہ احساس اس کو نہ صرف بہت سی برائیوں اور کمزوریوں سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ اوامر الٰہی کی پابندی اور نواہی سے اجتناب میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ حضوری کی یہ کیفیت جس کو حدیث پاک میں ''احسان'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے' ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا احسان کی ہدایت کی گئی ہے اور احسان کرنے والوں کو اللہ کا محبوب بتایا گیا ہے۔ قرآن پاک کی انہی ہدایات کی بنیاد پر اکابر اسلام نے تزکیہ و احسان کے اصول اور قواعد مرتب فرمائے اور ان کو ایک باضابطہ علم کی شکل دی۔ علمائے دین کا یہ مقدس گروہ جن کو علامہ اقبال نے اسلام کے ماہرین نفسیات قرار دیا ہے' انسانی نفس' اس کے رجحانات اور رغبات و مکائد پر غور کرتا رہا ہے۔ ان حضرات نے انسانی کمزوریوں کا پورا پورا احساس و ادراک کرتے ہوئے تزکیہ و احسان کے حصول کے لیے بہت سی تدابیر تجویز فرمائیں جن کو ایک جداگانہ فن کی صورت میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ دیگر انسانی کاوشوں کی طرح اس فن میں بھی بہ تقاضا بشری بہت سا رطب و یابس داخل ہو گیا۔

ایام اللہ (عروج و زوال)

قرآن پاک کا چوتھا بنیادی مبحث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے الفاظ میں ''ایام اللہ'' کہلاتا ہے۔ ایام اللہ سے مراد دنیا کی تاریخ میں مسلسل جاری رہنے والا وہ نشیب و فراز ہے جو اللہ کی سنت کے مطابق دنیا میں جاری ہے' جس کے نتیجے میں افراد اور قوموں کے عروج و زوال کی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ قرآن مجید کا ہر طالب علم اس بات کو جانتا ہے کہ اس کتاب میں اقوام سابقہ اور انبیاء سابقین میں سے بہت سوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ سے ہی ان دونوں قسم کے انسانوں کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے راستے پر چلائے جن پر اس نے انعام فرمایا اور ان لوگوں کے راستے سے محفوظ رکھے جن پر اس کا غضب نازل ہوا' یا وہ راہِ راست سے بھٹک گئے۔ یوں کتاب الٰہی کے آغاز ہی سے اللہ کے مقبول بندوں کا تذکرہ بھی شروع ہو جاتا ہے اور اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں کا بھی۔ پھر آگے چل کر قرآن پاک میں بڑی تفصیل سے جا بجا انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے باغیوں کا ذکر بھی کم نہیں۔ چنانچہ فرعون' نمرود'

شداد، ہامان، قارون اور ایسے ہی دوسرے لوگوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ تذکرہ کہیں نام لے کر کیا گیا اور کہیں نام لیے بغیر۔

انبیاء علیہم السلام کے تذکرے میں ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کم وبیش ۲۶ کا تذکرہ قرآن پاک میں ملتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے ۲۶ کا انتخاب کس بنیاد یا کس حکمت کے تحت کیا گیا؟ اسی طرح جن ناپسندیدہ افراد کا ذکر ہے ان کا انتخاب کس بنیاد پر کیا گیا؟

انبیاء علیہم السلام میں سے جن جن کے اسمائے گرامی قرآن پاک میں آئے ان کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک بعض خاص خاص اوصاف وامتیازات کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام دعوتِ دین میں استقلال وتحمل کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کی صفت کے مظہر ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ذات میں صفاتِ زہد وفقر نمایاں ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات میں شکر کا نمونہ ملتا ہے۔ ان تمام اوصافِ حمیدہ کے چلتے پھرتے نمونے ان انبیاء علیہم السلام کی صورت میں قرآن پاک میں محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ قرآن مجید کا ایک قاری جب کتابِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے سامنے بار بار مجسم اچھائیوں اور سراپا خوبیوں کے نمونے نظر آتے رہتے ہیں۔ ایک قاری یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی نیک بندے کو اقتدار سے نوازتا ہے تو اس کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سنت اس کے سامنے آجاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو مال ودولت اور انعامات کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا رویہ اپنانا چاہیے۔ دین کی خاطر گھر بار اور وطن چھوڑنا ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ پیش نظر رہتا ہے۔ یوں اس کی نظر میں یہ مثالیں اور نمونے ہر وقت تازہ رہتے ہیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے انبیاء علیہم السلام کے واقعات ہر وقت اس طرح رہتے ہیں جیسے وہ خود اُن کا مشاہدہ کر رہا ہو۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ساتھ ایام اللہ کے ضمن میں قرآن مجید میں سیرت نبوی ﷺ کے اہم واقعات بھی محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ قرآن مجید کا ہر قاری روحانی طور پر رسول اللہ ﷺ کی معیت میں زندگی گزارتا ہے۔ وہ چشمِ تصور سے بدر وحنین کے معرکے دیکھتا رہتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہجرت کے مناظر تازہ رہتے ہیں۔ وہ غزوۂ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پریشانی اور سراسیمگی کو محسوس کرتا رہتا ہے اور یوں وہ چشم تصور سے

واقعاتِ سیرت کو نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ اس کو مسلسل مہمیز ملتی رہتی ہے۔ اس گہری اور مسلسل روحانی وابستگی اور چشمِ تصور کے ذریعے اس مشاہدے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کے عقائد اور اخلاق اس کی طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جاتے ہیں اور یوں انبیاء علیہم السلام کی سنت سے مسلسل رہنمائی حاصل کرتے رہنا اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے غلط راستہ اختیار کیا ان کو کس انجام کا سامنا کرنا پڑا' یہ بات بھی قرآن کے قاری کی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے پاتی۔ قرآن مجید میں اس غرض کے لیے جن لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ان میں ہر ایک انحراف اور سرکشی کے ایک خاص انداز کی نمائندگی کرتا ہے۔ اقتدار کے نشے میں انسان راہِ راست سے بہک جائے تو کہاں جا کر دم لیتا ہے! یہ چیز فرعون کے انجام کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ مال و دولت کی بہتات کے نتیجے میں انسان راہِ راست سے بھٹک جائے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے! یہ چیز قارون کے انجام سے پتہ چلتی ہے۔ بعض اوقات انسان کے اپنے پاس نہ دولت ہوتی ہے نہ اقتدار' لیکن اس کو کسی صاحبِ اقتدار کی مصاحبت میسر آ جاتی ہے' شہر میں اس کی اپنی کوئی آبرو نہیں ہوتی لیکن شاہ کا مصاحب بن کر اتراتا پھرتا ہے اور یوں اس کا ذہن فساد کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ اس کے لیے قرآن مجید میں ہامان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہامان' فرعون کا مصاحب تھا اور صحبتِ شاہ نے اس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

ان چیزوں کے ساتھ ساتھ بڑے لوگوں کی رشتے داری بھی بعض اوقات انسان کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ قرآن مجید نے مختلف رشتے داریاں بیان کر کے یہ بتایا ہے کہ کسی کی محض رشتے داری نہ انسان کو اچھا بنا سکتی ہے اور نہ برا' اگر وہ خود اچھا یا بُرا نہ بننا چاہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں مختلف مشہور اور بڑی شخصیتوں کے رشتے داروں کا تذکرہ بھی اس سیاق و سباق میں کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ' حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا تذکرہ اللہ کے باغیوں کی فہرست میں کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام قریبی اعزہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور اسلام کے سابقین اوّلین میں شامل ہوئے۔ البتہ آپ کا ایک بدنصیب چچا ابولہب تھا جو اِس فہرست میں شمولیت کا مستحق نہ ٹھہرایا گیا۔ اچھے لوگوں کے نالائق رشتے داروں کے ساتھ نالائق لوگوں کے اچھے رشتے داروں کا ذکر بھی کیا گیا۔ چنانچہ فرعون کی تمام تر گمراہیوں اور سرکشیوں کے باوجود اُس کی اہلیہ محترمہ آسیہ تقویٰ اور دین داری کے بہت بلند معیار پر فائز رہیں اور ان کو

نیکی اور اخلاص کی ایک لازوال مثال کے طور پر بیان کیا گیا۔

یہ تمام واقعات و تفصیلات عبرت اور سبق آموزی کی خاطر بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے ان کا صرف اتنا حصہ بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا جو سبق آموزی کے لیے مفید اور ناگزیر تھا۔ ان واقعات کی وہ تفصیلات جو سبق آموزی کے لیے ضروری نہ تھیں' نظر انداز کر دی گئیں' اس لیے کہ قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے' یہ کوئی تاریخ یا آثارِ قدیمہ کی کھتونی نہیں۔

زندگی بعد موت

قرآن مجید کا پانچواں اور آخری بنیادی مبحث مرنے کے بعد دوسری زندگی کے حالات اور ان کی تفصیلات ہیں۔ ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ مضمون عقائد سے تعلق رکھتا ہے' اس لیے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا تعلق عقیدۂ آخرت ہی سے ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید نے اس مضمون کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اس لیے علمائے کرام اور مفسرین نے اس کو ایک جداگانہ مبحث قرار دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کے لیے تذکیر بالموت و مابعد الموت کی اصطلاح اختیار فرمائی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کی تفصیلات بیان کرنے' ان کو ذہن نشین کرانے اور عقیدۂ آخرت کو اہل ایمان کے رگ و پے میں سمو دینے میں کوئی اور مذہبی کتاب قرآن مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید نے جس تفصیل اور باریک بینی کے ساتھ قیامت کے مناظر کی نقشہ کشی کی ہے وہ نہ صرف مذہبی لٹریچر کی تاریخ میں بلکہ ادبیات عالم میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ نہ صرف مسلمان علماء بلکہ غیر مسلم اہل علم نے بھی قرآن پاک کے اس پہلو کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ بیسویں صدی کے مسلمان ادیبوں اور محققین میں مصر کے سید قطب شہیدؒ کا نام اس معاملے میں بڑا نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''مشاهد القيامة فى القرآن'' میں قرآن پاک کے اس پہلو پر انتہائی عالمانہ اور ادیبانہ انداز سے گفتگو کی ہے۔

روزِ قیامت کے مناظر و مشاہد قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں سے لے کر آخر تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سکراتِ موت کا تذکرہ بھی ہے۔ مرنے کے بعد عالم برزخ کے سوال و جواب' قبر کی کیفیات و تجربات' مرنے والے کے روحانی احساسات سے لے کر جنت اور دوزخ کے مناظر تک ہر ہر مرحلے کی جھلکیاں موجود ہیں۔

یوں تو یہ مضمون قرآن مجید کے ہر حصے میں ملتا ہے' لیکن مکی سورتیں اس معاملے میں خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔ مکی سورتیں یوں بھی اپنے غیر معمولی زورِ بیان' خطیبانہ اسلوب اور اثر انگیزی میں ممتاز ہیں۔ یہ اسلوب' یہ انداز اور یہ اثر انگیزی مناظر قیامت کے ضمن میں سہ آتشہ' بلکہ چہار آتشہ ہو جاتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی صاحب ایمان جو عربی زبان کا فہم رکھتا ہو اور قرآن مجید کے مضامین سے واقف ہو' ان آیات کو پڑھے اور ان سے اثر نہ لے۔ ایسے واقعات سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ہیں کہ اللہ کے نیک بندے آیاتِ قیامت کو پڑھ کر یا سن کر تڑپ تڑپ گئے' بے قابو ہو گئے اور دھاڑیں مار مار کر رو پڑے۔ ایسے واقعات بھی لا تعداد ہیں جن میں آیاتِ قیامت کو پڑھنے یا سننے والے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ بعض حساس اور تقویٰ شعار بزرگ تمام رات ایک ہی آیت کو دہراتے رہے۔ یہی ان آیات کا مقصد ہے اور شاید اسی لیے یہ خصوصی انداز اس مضمون کے ضمن میں اختیار فرمایا گیا ہے۔

یہ ہیں وہ پانچ بنیادی مباحث و مضامین جن سے قرآن پاک میں بیشتر آیات اور سورتوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کلام کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر مضمون کا تعلق قرآن مجید کے اصل مقصد اور نفس مضمون سے ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا' یعنی انسان!

(بشکریہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور)

شعبہ سمع وبصر کی خصوصی پیشکش

بیان القرآن DVD VIDEO

اب DVDs 14 میں دستیاب ہے

قیمت: 1150 روپے علاوہ کوریئر چارجز

پاکستان میں کوریئر چارجز 150 روپے ہوں گے

بیرون ملک سے منگوانے کی صورت میں کوریئر چارجز 3000 ± روپے ہوں گے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی' K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

www.tanzeem.org maktaba@tanzeem.org

اشیاء اور افعال دونوں میں اصل اباحت ہے

ایک استفتاء اور اس کا جواب

از: مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

س: قاعدۂ فقہیہ ''الاصل فی الاشیاء الاباحة'' سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات اس معاملے میں ''اشیاء'' اور ''اعمال'' کو علیحدہ اور مختلف قرار دیتے ہیں۔ ازراہِ کرم وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: قرآنی آیت ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرۃ:۲۹) اس باب میں تقریباً نص ہے کہ اصل اشیاء اور افعال دونوں میں اباحت ہے۔ جیسے تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں بعینہٖ اسی طرح اہل حق کے ہاں تمام افعالِ عباد بھی مخلوق الٰہی ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصّٰفّٰت) لہٰذا بعض ایسی حدیثوں سے جو نہ صرف یہ کہ اخبار احاد ہیں بلکہ محتمل المعانی بھی ہیں' افعالِ انسانی کو اباحت کے زمرہ سے نکالنا اور مستثنیٰ کرنا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً حدیث ((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) (صحیح مسلم' کتاب الاقضیة) سے اس فرق پر استشہاد کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ عام محدثین اس حدیث کو عبادات پر محمول کرتے ہیں اور یہ بات دل کو لگتی ہے' کیونکہ کسی چیز کا عبادت ہونا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کا وعدہ ہو' یقیناً محتاجِ دلیل ہے' لیکن اس حدیث کو نفی اباحت کے لیے استعمال کرنا کسی طرح سے بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا' کیونکہ اباحت کوئی حکم مثبت نہیں ہے جس کے لیے دلیل کی ضرورت ہو' اباحت کسی چیز میں کرنے اور نہ کرنے کے اختیار کا نام ہے۔ جہاں بھی شریعت نے سکوت اختیار کیا ہو اور کوئی امر و نہی وارد نہ ہو یہی اباحت کا مقام ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ ''شریعت کسی بھی عمل پر خاموش نہیں'' صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَفْتَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْهَا وَحَدَّحُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ كَثِیْرٍ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَا تُكَلِّفُوْهَا رَحْمَةً لَكُمْ

فَاقْبَلُوْهَا)) (کنز العمال' ح ۹۸۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو فرض قرار دیا ہے' پس ان کو ضائع مت کرو' اور کچھ حدود مقرر فرما دی ہیں' ان کو پامال نہ کرو' اور بہت ساری چیزوں کے بارے میں' بغیر کسی بھول چوک کے' خاموشی اختیار کی ہے' تو ان کی تکلیف نہ اٹھاؤ۔ یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے رحمت ہے' اس رحمت کو قبول کرو۔''

اس حدیث سے فی الجملہ یہ بات وضاحت سے معلوم ہوتی ہے کہ مأمورات اور منہیات کا دائرہ بنسبت ''وَسَكَتَ عَنْ كَثِيْرٍ'' سے تنگ ہے اور اس کا منشاء محض رحمت الٰہی ہے' تاکہ لوگ ضیق میں نہ پڑیں۔ بے شمار حدیثوں میں تعمق فی الدین والتشدد سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی حدیثیں بھی فی الجملہ اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دین میں یسر اور وسعت کا پہلو راجح ہے۔ قرآنی آیت ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (النساء:۱۷۱) اگرچہ شانِ نزول کے اعتبار سے ایک مخصوص مسئلے سے متعلق ہے لیکن عمومِ الفاظ کے اعتبار سے مسئلہ زیر بحث پر بھی اس سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح سے قرآنی آیت ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا..... الآیۃ﴾ (الانعام:۱۴۶) بھی اپنے سیاق وسابق سے اسی کلیہ کو ثابت کرتی دکھائی دیتی ہے کہ حرمت اور ممانعت کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اباحت کے لیے نہیں۔

قرآن حکیم کی وہ تمام آیات جو تقیید الافعال بالحکم الشرعی کے اثبات کے لیے نقل کی جاتی ہیں وہ اس مدعا میں نص تو کیا واضح بھی نہیں ہیں۔ عام طور سے ان کا تعلق ان اعمال و افعال سے ہے جن کی حرمت وممانعت شریعت سے صراحتاً یا اشارۃً ثابت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ''الاصل فی الاشیاء والافعال اباحة'' سے سرمایہ دارانہ نظام کو ہی فائدہ پہنچتا ہے' تو اگر ان تمام جزئیات کا جائزہ لیا جائے جو صاحب مقالہ نے ذکر کیے ہیں تو معلوم ہوگا کہ یہاں مفاسد صرف اسی کلیے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں لازماً کچھ ایسے افعال کا ارتکاب کیا گیا ہے جو از روئے شریعت ممنوع ہیں۔ ویسے بھی شریعت کا کلیہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی امر مباح کو ناجائز مقاصد کے لیے کثرت سے استعمال کیا جانے لگے تو حکومت وقت اس پر ضروری قدغن لگانے کی مجاز ہوتی ہے۔ قرآنی آیات ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل:۸۹) یا ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدۃ:۳) وغیرہا بھی مفسرین کے نزدیک دنیا جہان کی تمام

چھوٹی بڑی چیزوں سے متعلق نہیں ہیں بلکہ یہاں امور دینیہ مراد ہیں' ورنہ اگر ساری چیزیں مراد ہوتیں تو پھر تو اس قرآن سے کئی گنا ضخیم کتاب نازل ہوتی۔ آپ ان آیات میں جیسی بھی چاہے تعمیم کر لیں' مثلاً صراحۃً یا اشارۃً وغیرہ' پھر بھی کسی نہ کسی موڑ پر آپ کو رکنا پڑے گا اور کچھ اشیاء و اعمال کے بارے میں ماننا پڑے گا کہ وہ مسکوت عنہا ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ خواہ مخواہ کے تکلف سے کام لیں اور دور از کار تاویلات کرنا شروع کر دیں۔ مثال کے طور پر آمنہ ودود جیسی خواتین امامتِ نساء کے بارے میں جو طرزِ عمل اختیار کرتی ہیں وہ اباحت الافعال کے کلیے سے نہیں بلکہ ایک حدیث کے حوالے سے ثابت کرتی ہیں' لیکن کیا خیر القرون میں اس حدیث کے مضمون پر عمل نہ ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ حدیث اس عورت کی خصوصیت تھی' حکم عام بیان کرنا مراد نہ تھا' ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ خیر القرون میں اتنی بڑی حقیقت متروک ہو جاتی اور امت کی بے شمار صالحہ اور قانتہ عورتوں میں سے کسی کو بھی اس پر عمل کی انگیخت نہ ہوتی!

علماء اور طلبہ کے لیے خوشخبری

آپ کے مسائل اور ان کا حل (اعلیٰ ایڈیشن)

اصلی قیمت: =/1600

o مکمل 10 جلد o اعلیٰ کاغذ o عمدہ طباعت

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی مایۂ ناز تصنیف' طلبہ و علماء کے لیے گرانقدر علمی خزانہ' محدود مدت کے لیے رعایتی سیل صرف پانچ سو پچاس روپے (550)۔

اختلافِ امت و صراطِ مستقیم

صرف ستر (70) روپے۔ مکمل سیٹ اتنے کم دام میں ملا ہے نہ ملے گا!

نوٹ: بیرونِ کراچی والے ڈاک خرچ ایک سو تیس (130) روپے مزید ارسال کریں۔

مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 74800

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : روئے زیبا کی تابانیاں

مصنف : عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 156 صفحات ۔ قیمت: 99 روپے

ملنے کا پتہ: ☆ جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد' نوشہرہ

یہ مولانا عبدالقیوم حقانی کی تازہ تصنیف ہے' جس میں شمائل ترمذی کی اڑتالیس احادیث کی مفصل توضیح وتشریح پیش کی گئی ہے۔ یہ احادیث رسول اللہ ﷺ کے مبارک وجود کے خدوخال کے بیان میں ہیں۔ کتاب کُل سات ابواب پر مشتمل ہے' جن کی تفصیل اس طرح ہے:

باب اوّل : آپؐ کے بالوں کے بیان میں

باب دوم : آپؐ کے کنگھی کرنے کے بیان میں

باب سوم : آپؐ کے سفید بال آجانے کے بیان میں

باب چہارم : آپؐ کے خضاب کرنے کے بیان میں

باب پنجم : آپؐ کے سرمہ کے بیان میں

باب ششم : آپؐ کے لباس کے بیان میں

باب ہفتم : آپؐ کے گزرانِ اوقات کے بیان میں

رسول اللہ ﷺ خالق کائنات کی شاہکار تخلیق ہیں۔ آپؐ بلندترین اخلاق کے مالک تو تھے ہی' اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حسن صورت سے بھی خوب نوازا تھا۔ آپؐ کے عادات وخصائل انتہائی پاکیزہ' صاف ستھرے اور پسندیدہ تھے۔ آپؐ کی ہر ادا اعلیٰ معیار کی انتہا کا مظہر تھی۔

فاضل مصنف نے شمائل ترمذی کی متعلقہ احادیث کی تشریح بہت خوبصورت انداز میں کی ہے۔ یہ کتاب دینی دروس کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے تو خصوصی استفادے کی چیز ہے ہی' عام قاری بھی اسے پڑھے گا تو اس کے حسن عقیدت اور ایمان ویقین میں اضافے کا باعث ہوگی۔

(۲)

نام کتاب : ورلڈ آرڈرز اور پاکستان

مصنف : عبدالرشید ارشد

ضخامت : 190 صفحات ۔ قیمت:75روپے

ملنے کا پتہ: ☆النور ٹرسٹ رجسٹرڈ' جوہر پریس بلڈنگ' جوہر آباد

☆صدیقی ٹرسٹ' صدیقی ہاؤس' المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ لسبیلہ چوک کراچی

عبدالرشید ارشد دینی حلقوں کی معروف شخصیت ہیں۔ آپ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ قومی اور عالمی مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ کی کتابیں تحقیق و تدقیق کا مستند مرقع ہیں۔ عالمی حالات پر آپ کے تجزیے چشم کشا ہیں۔ ان کی تحریروں سے اُمت مسلمہ کے عوام اور حکمران دونوں سبق سیکھ کر راہِ صواب اختیار کر سکتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب مصنف کی گہری تحقیق کا نتیجہ ہے جس میں انہوں نے یہودیوں کی سازشوں کا تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح مسلمانوں کا خوف ان کے ذہنوں پر مسلط ہے اور کس منصوبہ بندی کے تحت وہ ہمہ وقت مسلمانوں کو مذہب سے دُور کر کے کمزور سے کمزور تر بنانے میں مصروف ہیں۔ جب نمرود کو غلبہ حاصل ہوا تو وہ کہہ اٹھا ''میں جسے چاہوں زندگی دوں اور جسے چاہوں موت دوں''۔ آج امریکہ کو بے مثال مادی طاقت ملی ہے تو وہ اخلاق و قانون سے بالا ہو کر کہہ رہا ہے ''امریکہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر دنیا کے کسی بھی ملک پر پیشگی حملہ کر سکتا ہے''۔ یہودی اپنے سازشی ذہن کی طویل منصوبہ بندی کے نتیجہ میں اقوامِ عالم پر معاشی تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ''غیر یہود بھیڑوں کا گلہ ہیں اور ہم ان کے لیے بھیڑیے ہیں۔ اور کیا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت کیا ہوتا ہے جب بھیڑیے بھیڑوں کو گھیر کر اُن پر حاوی ہو جاتے ہیں؟''

گویا غیر مسلم دنیا آج اس بات پر متفق ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے' اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اُن کی قرآن اور اسلام کے ساتھ وابستگی برائے نام رہ جائے۔ آج ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ مسلمان بحیثیت قوم اپنی تہذیب سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ مسلمان

آپس میں بھائی بھائی ہونے کی بجائے دشمن ہو رہے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے سامنے مسلمان حکمران اس قدر بے بس ہو چکے ہیں کہ جب وہ کسی ایک اسلامی ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں تو دوسرے اسلامی ممالک احتجاج کا ایک حرف بھی زبان سے نکالنا تو دُور کی بات ہے' وہ اُن سے یہ تک نہیں پوچھ سکتے کہ اس ملک کے مسلمانوں نے کیا قصور کیا ہے' بلکہ الٹا ظالم حملہ آور کا ساتھ دیتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف جنگی کارروائیوں کا حصہ بن رہے ہیں۔

اس کتاب میں یہود و نصاریٰ کی ان کارروائیوں کا خاص طور پر ذکر ہے جو وہ پاکستان کے مسلمانوں کو زیر کرنے' کمزور کرنے اور مذہب سے دُور کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ یہ کتاب ہر پاکستانی کے پڑھنے کے قابل ہے' تاکہ وہ جان لے کہ ہم کس حد تک یہود و ہنود کی سازشوں کا شکار ہیں' بلکہ اُن کی سازشوں کو خود کامیابی سے ہم کنار کر رہے ہیں۔ سازشوں کے اس جال سے نکلنے کا واحد حل یہ ہے کہ کُل روئے زمین کے مسلمان اکٹھے ہو جائیں' اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی مضبوط کر لیں اور اللہ کے حکم کے مطابق یہود و نصاریٰ کو دوست نہ سمجھیں۔

(۳)

نام کتاب : حقیقت

مصنف : حاجی محمد اشرف بٹ

ضخامت:208 صفحات ۔ قیمت:الوقف للہ

ملنے کا پتہ :☆ صدر جامع مسجد خیر الدین' 212-B-II' جوہر ٹاؤن لاہور

مصنف کتاب محمد اشرف بٹ درویش منش' سادگی پسند' کشادہ دست اور ہر دلعزیز شخصیت ہیں۔ نمود و نمائش سے کوسوں دُور ہیں۔ دینی اور اخلاقی کتب کا مطالعہ اُن کا ہمہ وقتی مشغلہ اور مسجد کی تعمیر و تنظیم اُن کی واحد مصروفیت ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو عملی طور پر دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھ کر اللہ کی راہ میں بھرپور انداز میں investment کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اَضعافاً مُضاعَفَۃً اجر کی امید رکھتے ہیں۔ نصح و خیر خواہی کا جذبہ اُن میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے جس کا اظہار ان کی تحریروں سے واضح طور پر ہوتا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ہر مسلمان نیک سیرت' فرض شناس' محنتی' حلال خور' عبادت گزار اور پرہیز گار بن جائے۔

اس کتاب میں فضائل اخلاق کی تلقین نہایت ہی سادہ اور مؤثر انداز میں پیش کی گئی ہے۔ اس میں دیے گئے سبق آموز اور عبرت انگیز واقعات سیرت النبی ﷺ حیاتِ صحابہؓ اور نیک لوگوں کے سوانح حیات سے لیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے اپنی طویل زندگی کے دوران پیش آنے والے فکر انگیز اور نصیحت آموز مشاہدات اور تجربات بھی اس میں درج کیے ہیں۔ یوں یہ کتاب کئی بیش قیمت دینی اور اخلاقی کتابوں کا نچوڑ اور راہنما مشاہدات و واقعات پر مشتمل ہے۔ متلاشیانِ حق اور بامقصد مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ بیش قیمت تحفہ ہے جو محمد اشرف بٹ صاحب اپنی دوسری کتابوں کی طرح ہدیتاً لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ محترم مصنف یہ کتاب بذریعہ ڈاک نہیں بھیجتے' بلکہ شوق رکھنے والے حضرات ان کے ہاں سے دستی لے سکتے ہیں۔ کتاب کی کمپوزنگ معیاری اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔

(۴)

نام مجلّہ : ماہنامہ ''القاری'' جون ۲۰۰۵ء

مرتب : قاری حبیب الرحمٰن

ضخامت: 36 صفحات

ملنے کا پتہ : ☆ جامعہ صدیقیہ' توحید پارک' راوی روڈ' لاہور

''القاری'' ایک مختصر سا ماہنامہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ پرچہ ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق ہے۔ قرآن مجید کو صحت لفظی اور تجوید و قراءت کے اصولوں کے مطابق پڑھنا بہت ضروری ہے۔ غالباً یہ واحد مجلّہ ہے جو علم تجوید و قراءت کی اہمیت واضح کرتا ہے اور اس کے اصول و ضوابط بیان کرتا ہے۔ چند صفحات پر مشتمل اس شمارے کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جناب مرتب کو فن تجوید پر نہ صرف عبور حاصل ہے بلکہ وہ اس فن کے ساتھ والہانہ ذوق و شوق بھی رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھنے والے قراءت کی لطافتوں سے واقف ہوں اور اللہ کا کلام شایانِ شان انداز میں تلاوت کریں۔

زیرِ نظر شمارے میں محفل قراءت کے عنوان سے ایک مضمون خود قاری حبیب الرحمٰن صاحب کا ہے' جو انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ موصوف نے مروّجہ محافل قراءت پر بڑی مہارت اور جرأت کے ساتھ تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں محفلِ قراءت رسمی انداز کی نہیں ہونی

چاہیے۔ نہ تو اس میں نعرے بازی ہو نہ دورانِ تلاوت قاری کی تعریف وتوصیف ہو۔ اس محفل میں حصہ لینے والے قاری حضرات شکل وصورت' لباس اور وضع قطع سے باوقار ہونے چاہئیں۔ قاری تلاوت پر کسی طرح کا معاوضہ قبول نہ کرے۔ قاری سٹیج پر آئے تو اس کے نام کے نعرے نہ لگائے جائیں۔ قاری کی حوصلہ افزائی کے لیے غیر سنجیدہ طریقہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے' بلکہ اس محفل پر ہمہ وقت تقدس کا رنگ غالب رہنا چاہیے۔ قاری صاحب محفلِ قراءت کے لیے نمائشی اور آرائشی روشنیوں اور جھنڈیوں کو بے ضرورت اور خواہ مخواہ کا تکلف بلکہ اسراف کہتے ہیں جس سے پرہیز ضروری ہے۔ مشاعرے کے انداز میں قاری سے تلاوت کردہ آیات کو دوبارہ سنانے کی فرمائش کرنا بھی درست نہیں ہے۔ الغرض قراءت میں اصولِ تجوید تو ملحوظِ خاطر رہیں مگر انداز میں خواہ مخواہ کی بناوٹ اور تصنع کا رنگ نہیں آنا چاہیے۔

اس شمارے میں ایک صفحے کا مضمون بعنوان ''قرآن کریم'' ہے جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ یہ تحریر بھی ''خَیْرُ الکلامِ ما قَلَّ وَدَلَّ'' کی مصداق ہے اور پڑھنے کی چیز ہے۔

یہ ماہنامہ دینی مدارس میں خاص طور پر پہنچنا چاہیے۔ نیز ہر وہ شخص جو قرآن کریم کے درس وتدریس سے وابستہ ہو' لازماً اس کا مطالعہ کرے۔ دعا ہے کہ قاری صاحب موصوف کی یہ پُرخلوص کوشش کامیابی کی منازل طے کرے اور اس رسالے کو قبولِ عام حاصل ہو!

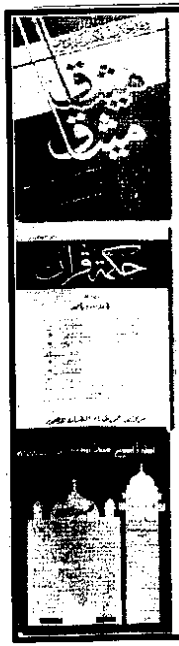

جرائد 2004

(میثاق' حکمت قرآن' ندائے خلافت)

2004 کے تمام جرائد ایک سی ڈی میں یکجا کر دیے گئے ہیں

علاوہ ازیں جرائد 2002 اور 2003 کی CDs بھی دستیاب ہیں

قیمت صرف =/۳۰ روپے*

*علاوہ ڈاک خرچ

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی' K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

www.tanzeem.org maktaba@tanzeem.org

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لیے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں!

تعلیم یافتہ حضرات کے لیے قرآن حکیم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کا سنہری موقع

یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لیے ترتیب دیا گیا ہے' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔

نصاب

۱) عربی صرف ونحو
۲) ترجمہ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
۳) آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل (تقریباً دو پارے)
۴) قرآن حکیم کی فکری وعملی راہ نمائی (منتخب دروسِ قرآن)
۵) تجوید وحفظ
۶) مطالعۂ حدیث
۷) اصطلاحاتِ حدیث
۸) اضافی محاضرات

o کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہوگا اور کورس کا دورانیہ نو (9) ماہ ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور (فون: 03-5869501)